فکر و نظر........... اسلام آباد　　　جلد: ۴۸　　　شمارہ: ۴

تفسیری ادب میں نظم قرآن کریم پر ہونے والے کام کا ارتقائی جائزہ
(دوسری صدی ہجری سے تا حال)

ڈاکٹر ثناء اللہ☆

Abstract

The Qur'an was revealed upon the Prophet Muhammad (peace be on him) in the form of recitation of the divinely coposed words (*kalimat*), verses (*ayat*) and chapters (*surah*s). Though the Qur'an was revealed in bits and pieces it was arranged by the Prophet (peace be on him) in accordence with the divine instructions. The Qur'an's thus being a divinly composed diction charactrises it with perfect fluency, superb clarity and soundness. Its Text enjoys firm coherence and perfect harmony. The sequence of the text of its chapters (*surah*s), verses (*ayat*) and their parts all are mutually interlinked intricately. The Scholars have also shown intricate links and connections amongst the verses (*ayat*) of a chapter (*surah*) and its main theme and purposes.

This paper explores the history and developments in the studies conducted with reference to the coherence of the text of the Qur'an from the second century to modern times. The article espicially explores the principles which Allamah Zamahshari applied in his study of the Qur'an evolving new dimensions, as well as the contribution of Imam Fakhruddin Razi in this regard. Al-Razi, in his *tafsir*, has miticulously commented upon coherence in each and every verse (*ayah*) and its parts as well as each and every chapter of the Qur'an. The paper also examins Burhan al-Din Baqai's work and Shah Wali Allah's views (*surah*) in this regard.

☆ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

مقدمہ

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم و علی اله و صحبه أجمعين و بعد:

قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں بلکہ توقیفی ہے اس لیے آیات اور سورتوں میں نظم و ارتباط کو سمجھنا ضروری ہے، تفسیر القرآن میں نظم ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں۔

قرآن کریم کی حقانیت کی واضح دلیل اس کا اعجاز ہے اور قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑے معجزے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم کی بار بار تحدی کے باوجود کفار مکہ اس کی نظیر پیش نہ کر سکے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ. وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ.(۱)

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اسی میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ، اور اللہ تعالیٰ کے سوا، اپنے سب حمائتیوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات میں الفاظ کا اعجاز، ترکیب کا اعجاز اسلوب کا اعجاز اور نظم کا اعجاز شامل ہے یعنی قرآن کریم کا ایک دقیق اعجاز اس کی آیات کے باہمی ربط و تعلق و ترتیب میں ہے، مصطفیٰ صادق رافعی(م ۱۳۵۶ھ) قرآن کریم کے نظم کی بابت لکھتے ہیں ,,قرآن کریم کا انداز کلام اور ندرت بیان اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی بڑی وجہ روح ترکیب ہے، جس پر کلام کا دارومدار ہے قرآن کریم کے سوا یہ روح عربی زبان میں اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ اس روح کے بل بوتے پر قرآن کریم بشری استطاعت سے خارج ہے۔ اگر اس میں یہ روح نہ ہوتی تو اس کے اجزاء میں تباین و تفاوت نظر آنے لگتا، اسی روح نے اس کے اجزاء کو باہم مربوط و متصل بنا دیا ہے۔(۲)

قرآن کریم کا منشاء سمجھنے کے لیے سیاق و سباق دیکھنا ضروری ہے، درمیان سے کسی ایک لفظ یا جملہ کو لے کر صرف اسی سے منشاء متعین کر لینا قواعد کلام کے سرا سر منافی ہے۔

قرآن کریم پر، مستشرقین نے جو اعتراضات اٹھائے ہیں ان میں ایک نمایاں اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کی آیات میں نظم و ترتیب کا فقدان ہے۔

نولڈیکے (Noldeke)نے اگرچہ قرآن حکیم کے بارے میں بہت اعتراضات اٹھائے ہیں مگر نظم

و ترتیب کے حوالے سے لکھتا ہے:

,,یہ محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ سورتوں میں خیالات کے سلسلے میں اکثر خلل و انقطاع واقع ہوا ہے، طویل سورتوں کے بہت حصے بنیادی طور پر منفرد اور الگ الگ نظر آتے ہیں بلکہ چھوٹی سورتوں میں بھی ایسے حصے نظر آتے ہیں جو پہلے حصے میں موجود نہ تھے''۔(۳)

چارلس۔جے آدمز(Charles J. Adams) قرآن حکیم کے بارے میں لکھتا ہے

,,اس میں کوئی ادبی ترتیب موجود نہیں ہے اور اس کے اجزاء بکھرے ہوتے ہیں'' (۴)

اسی سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار رچرڈ بل Richard Bell اور تھامس کار لائل Thomas Carlyle کے بھی ہیں، ان آراء میں کچھ تو ان کے مذہبی تعصب کا دخل ہے اور کچھ یہ بھی کہ ان میں اکثر عربی زبان اور ادب یا قرآن کریم کے نظم سے آگاہ نہیں ہیں۔

جو شخص قرآن کریم کے نظم پر گہری نگاہ رکھتا ہو گا اس کی نظر میں مستشرقین کے پیدا کردہ افکار و خیالات کی کوئی وقعت نہ ہو گی اور نظم کے ذریعے ممکن ہو گا کہ ان کے مذہبی تعصب پر مبنی ان کے اعتراض کا رد کیا جا سکے۔

نظم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

نظم کا لغوی مفہوم

نظم کا لفظی معنی درست کرنا، پرونا، باندھنا، مرتب کرنا، طریقہ کار، عادت وغیرہ ہوتے ہیں ذیل میں نظم کے لغوی معنی کے بارے میں بعض ماہرین بلاغت کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں:

علامہ زمخشری(۴۶۷۔۵۳۸ھ) اساس البلاغہ میں نظم کا لغوی مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

النظم فی اللغة جمع اللؤلوفی السلک 'نظمت درر' ومن المجاز نظم الکلام، ولیس لامرہ نظام اذا لم تستقم طریقته(۵)

نظم لغت میں موتی پرونا، میں نے موتی پروئے، اور مجازاً منظوم کلام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معاملہ منظّم نہیں ہے، جب کسی کا کام منظّم نہ ہو تو کہتے ہیں اس کے کام میں کوئی نظم نہیں ہے۔

لسان العرب کے مصنف ابن منظور(۶۳۰ھ۷۱۱) نظم کا لغوی مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

''نظمت اللؤلؤای جمعته فی السلک، والتنظیم مثله، وکل شیء قرنته بآخرأو ضممت

بعضه الی بعض فقد نظمته النظم:المنظوم، وصف بالمصدرالنظام:مانظمت فیه الشی عن خیط و غیرہ نظام و نظام کل امر ملاکه و الجمع انظمة و اناظیم و النظام ینظم به اللؤلؤ و کل خیط ینظم به اللؤلؤ اوغیرہ فهو نظام و جمعه نظم و النظام الهدیة و السیرة و لیس با مرہ نظام ای لیس له هدی ولا متعلق ولا استقامة(۶)

میں نے موتی دھاگے میں پروئے یعنی میں نے ایک دھاگے میں جمع کیے اور اسی طرح تنظیم کا لفظ استعمال ہوتا ہے ہر وہ چیز جو آپ کسی چیز کے ساتھ جوڑ دیں یا اس کے کچھ حصے کو کچھ حصے کے ساتھ ملا دیں تو اسے نظم کہا جائے گا نظم حقیقت میں منظوم ہے جسے مصدر سے بیان کیا گیا ہے۔ دھاگہ وغیرہ کے ساتھ موتیوں یا کسی اور چیز کو جو جوڑا جاتا ہے اسے نظام کہتے ہیں اور معاملے کا نظام اس کا کل سرمایہ ہے اس کی جمع نظم، انظمہ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ان کے معاملے میں کوئی نظام نہیں یعنی ان کے معاملہ میں کوئی سلیقہ، ربط اور درستگی نہیں۔

ابو طاہر مجدالدین فیروزآبادی(۷۲۹۔۸۱۷ھ) القاموس المحیط میں نظم کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"النظم التالیف و ضم شیء الیٰ شیء آخر و نظم اللؤلؤ ینظمه نظما و نظمه الفه وجمعه فی سلک فانتظم و تنظم و النظام کل خیط ینظم به لؤ لؤ و نحوہ"(۷)

نظم کا معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور جوڑنا ہیں۔جیسے کہتے ہیں میں نے موتیوں کو لڑی میں پرو دیا، یعنی ان کو ملانا، ایک دھاگے میں جمع کیا تو وہ پروئے گئے، اور نظام سے مراد وہ دھاگہ یا اس قسم کی کوئی اور چیز جس میں موتیوں یا اس قسم کی کسی اور چیز کو پرو دیا جائے۔

نظم کا اصطلاحی مفہوم

الفاظ و معانی مناسب انداز میں جڑے ہوئے ہوں ایک کڑی دوسری کڑی میں پیوست ہو کلام میں کسی قسم کا خلاء محسوس نہ ہوتا ہو تو ایسے کلام کو کلام منظوم کہتے ہیں۔

علامہ جرجانی حنفی(۷۴۰۔۸۱۶ھ) نظم کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

"تالیف الکلمات و الجمل مترتبة المعانی متناسبة الدلالا ت علی حسب مایقتضیه العقل"

کلمات اور جملوں کو ایسی ترکیب دینا کہ اس کے معانی مرتب اور دلالات مناسب ہو جیسا کہ عقل کا تقاضا ہو۔

وقیل:الألفاظ المترتبة المسوقة المعتبرة دلالا تها علیٰ ما یقتضیه العقل"(۸)

منظّم اور مرتب الفاظ ایسے معانی پر دلالت کریں جو عقل کے تقاضوں پر پورے اترتے ہوں۔

قرآن کریم کے سیاق میں آیات و الفاظ کے درمیان قربت و ہم آہنگی اور رابطہ کی تلاش کا علم دور اول کی تحریروں میں علم المناسبات اور علم نظم کے دونوں ناموں اور اصطلاحوں سے موسوم تھا بعض مصنفین نے تناسق، توافق اور ربط کی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں اور بعض نے نظام کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں مقصود سب کا ایک معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں ان تمام الفاظ کے مفاہیم درج کیے جاتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ یہ تمام الفاظ باہم مترادف ہیں۔

قاضی ابوبکر بن العربی (۴۶۸۔۵۴۳ھ) سراج المریدین میں نظم کی یہ تعریف کرتے ہیں:

"ارتباط آیای القرآن بعضها ببعض حتی یکون کالکلمة الواحدة متسعة المعانی منتظمة المبانی"(۹)

قرآن کی آیات کو ایک دوسری کے ساتھ یوں ربط دینا کہ وہ ایک کلمہ کی طرح ہو جس کے معانی میں وسعت ہو اور ظاہری الفاظ مربوط ہوں۔ سب مل کر باہم مناسبت رکھنے والے الفاظ اور مسلسل معانی کا کلام بن جائے۔

علامہ بقاعی نے نظم کی یہ تعریف کی ہے:

"فعلم مناسبات القرآن علم تعرف علل ترتیب اجزائه"(۱۰)

قرآن کی مناسبات کا علم وہ علم ہے جس کے ذریعے اس کے اجزاء کی ترتیب کی علل کا پتہ چلایا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علم نظم وہ علم ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم اور ان میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے۔

حمید الدین فراہیؒ (۱۲۲۸۔۱۳۴۹ھ) نظم کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"مرادنا با لنظام أن تکون السورة کلاماً واحداً ثم یکون ذات مناسبة بالسورة السابقة واللاحقة او بالتی قبلها او بعدها کما قدمنا فی نظم الایات بعضها مع بعض فکما ان الایات ربما تکون معترضة فکذلک ربما تکون السورة معترضة و علیٰ هذا الاصل نری القرآن کله کلاما واحدا ذا مناسبة و ترتیب فی اجزائه من الاول الی الاخر"(۱۱)

نظم سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورت ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو اور

وہ سورت اپنی ماقبل و ما بعد سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو جیسے ہم آیات کے باہم ربط میں پہلے بیان کر چکے ہیں جس طرح بعض آیات بسااوقات بطور جملہ معترضہ آ جاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی بطور جملہ معترضہ آ جاتی ہیں، اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مکمل قرآن کریم ایک کلام نظر آئے گا جو شروع سے آخر تک اس کے تمام اجزاء میں باہم مناسبت اور ربط پایا جاتا ہے۔

نظم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرادنا من النظام ان تکون لکل سورة صورة مشخصة فان معانی الکلام اذا ارتبط بعضها ببعض وجرت الی عمود واحد و کان الکلام ذاوحدانیة فحینئذ لایکون الا وله صورة مشخصة فاذا نظرت الی الکلام من هذه الجهة رأیت ما فیه من الجمال و الاتقان و الوضاحة،،(۱۲)

نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورت کی ایک مخصوص ہیئت ہوتی ہے کیوں کہ جب کلام کے معانی باہم مربوط ہو کر ایک عمود کے گرد گھومیں گے اور کلام میں وحدت ہو گی تو اس سورت کی ایک مخصوص صورت ہی ہو گی، جب کلام پر اس حیثیت سے غور ہو گا تو اس میں جمال، پختگی اور وضاحت نظر آئے گی۔

ربط اور نظم کے اور بھی مترادفات ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ تناسب

یہ نسبت سے ہے جو قربت، تعلق، ایک جیسا ہونا وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

علامہ جرجانی حنفی(۷۴۰۔۸۱۶ھ) اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

"النسبة:ایقاع التعلق بین الشیئین،،(۱۳)

یعنی دو چیزوں کے درمیان تعلق واقع ہونا

ابن منظو ر کے مطابق

"النسب القرابة:ففلان یناسب فلانا فهو نسبه ای قرینه المناسبة المشاکلة،،(۱۴)

نسب کا مطلب قرابت ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے وہ اس کی طرف منسوب ہے۔

یعنی نسب اور شکل و صورت اس کے قریب ہے۔

علامہ زمخشری تناسب کا مجازی مفہوم یہ بیان کرتے ہیں :

,,**بين الشيئين مناسبة و تناسب..وبينهما نسبة قريبة**،،(۱۵)

دو چیزوں کے درمیان نسبت اورتعلق ہونا، جیسے کہا جاتا ہے ان کے درمیان قریبی تعلق ہے۔

۲۔ وفق

وفق کا مطلب موافق ہونا،مطابق ہونا، ایک جیسا ہونا،متفق ہونا، متحد ہونا وغیرہ۔

علامہ زمخشری وفق کا مجازی مفہوم یہ بیان کرتے ہیں:

''**وافقت على هذا وبينهما وفاق و وفقت بينهما و وفقت بين الاشياء المختلفة والله يوفق عبده للطاعة و هو يستوفق ربه للخير**،،(۱۶)

میں نے اس پر موافقت کر دی اور ان کے درمیان مطابقت پائی جاتی ہے، وہ دونوں باہم موافق ہیں، میں نے ان کے درمیان موافقت کرا دی، میں نے مختلف اشیاء کو مرتب کیا اللہ اپنے بندے کو اطاعت کی توفیق دیتا ہے اور اللہ اپنے بندے کو عبادت کی توفیق دیتا ہے اور وہ اپنے رب سے خیر کی توفیق مانگتا ہے۔

۳۔ تناسق

یہ لفظ عموماً نظم کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں نظم ونسق، عموماً باقاعدگی کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، ترتیب اور پرونے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

علامہ زمخشری نسق کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں:

''**نسق الدرر وغيره ودرر منسوقة وتنسقت هذه الاشياء و تناسقت**،،(۱۷)

موتی یا کوئی اور چیز پرونا، موتی پروئے ہوئے،یہ چیزیں ترتیب وار ہوگئیں اور آپس میں مربوط ہوگئیں۔

علامہ زمخشری اس کا مجازی معنی یہ بیان کرتے ہیں:

''**كلام متناسق و قد تناسق كلامه وجاء على نسق و نظام ..وقام القوم نسقا و غرست النخل نسقا**،،(۱۸)

مربوط کلام، جیسے کہتے ہیں اس کا کلام مرتب ہے، وہ نظم اور ترتیب سے آیا، قوم ترتیب سے کھڑی ہوئی اور میں نے کھجور کے درختوں کو ایک قطار میں لگایا۔

۴۔ربط

ربط، جوڑنا، باندھنا، مضبوط کرنا وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ابن منظور(۱۹)لسان العرب میں ربط کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

"ربط الشیء یربطه و تربطه ربطا فهو مربوط وربیط"(۲۰)

ابن منظور نے ربط کے معنی باندھنا اور جوڑنا کیے ہیں۔

علامہ زمخشری بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں:

ربط الدابة، شدها بالرباط، والمربط و هوالحبل، وقطعت الدابة رباطها و مربطها(۲۱)

جانور کو باندھنا یعنی اس کو رسی سے باندھنا اورربط رسی کو کہتے ہیں اور جانور نے اپنی رسی کاٹ ڈالی وغیرہ۔

مذکورہ الفاظ کی تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ مترادف الفاظ ہیں کہ کسی کا معنی جوڑنا ہے اور کسی کا معنی ملانا اور موافق کرنا ہے اور کسی کا معنی قربت اور ہم آہنگی ہے اور مفسرین نے اپنی تفاسیر کے نام ان الفاظ پر رکھے اور ادیبوں نے اپنی کتب میں یہ الفاظ استعمال کیے تاہم ان تمام سے مراد نظم قرآن ہی ہے اور ان تمام ادباء و مفسرین کا مقصد محض یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتیں اور آیات باہم منظوم و مربوط ہیں اور قرآن کریم کی ہر آیت اپنے مقام پر پوری طرح موزوں ہے اور اپنی اسی تنظیم کے لحاظ سے اس بات کا مظہر ہے کہ **ماهذا کلام البشر.**

تفسیری ادب میں نظم کی اہمیت

نظم کا مفہوم ہے پرونا، جوڑنا، ملاہوا ہونا، ہم آہنگ ہونا، باہم قریب ہونا اور عدم نظم کا معنی اس کا الٹ ہو گا یعنی بکھرا ہوا ہونا، ٹوٹا ہوا ہونا اور غیر مرتب وغیرہ، ظاہر ہے کہ کوئی آدمی بدنظمی یا بےنظمی کو پسند نہیں کرتا، ہر آدمی یہی چاہتا ہے کہ ہر چیز میں ترتیب، ربط ہم آہنگی، سلیقہ، قرینہ، قربت اور جوڑ ہو۔

نظم کی اسی اہمیت کوملحوظ رکھتے ہوئے علامہ سیوطی(۸۴۹۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"جعل اجزاء الکلام بعضها آخذا باعناق بعض فیقوی بذلک الارتباط و یصیرالتالیف

حالہ حال البناء المحکم المتلائم الاجزاء"(۲۲)

نظم اجزائے کلام کو ایک دوسرے کو باہم بستہ اور پیوستہ بنا دیتی ہے کہ کلام کے بعض اجزاء نے دیگر اجزاء کے گردن پکڑے ہیں، اور اس سے کلام باہمی ربط کی قوت بڑھ جاتی ہے اور تالیف کلام کا حال ایک محکم عمارت کی طرح ہو جاتا ہے جن کے اجزاء باہم پیوستہ اور مناسب ہوں۔

علامہ سیوطی کے نزدیک نظم کی اہمیت اس قدر ہے کہ آپ کے نزدیک کلام کی قوت و تاثیر نظم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور نظم کی وجہ سے ہی کلام کے اجزاء ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں اور کلام کی کشش اور خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔

علامہ زرکشی (۷۴۵۔۷۹۴ھ) نے امام فخر الدین رازی(۵۴۴۔۶۰۶ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

"**اکثر لطائف القرآن مودعۃ فی الترتیبات و الروابط**"(۲۳)

قرآن شریف کے اکثر لطائف اس کی ترتیب اور نظم میں ہیں۔

امام رازی کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی حکمت،اسرار و رموز اور کلام و مطالب کی صحیح تفہیم نظم پر منحصر ہے، دین کے جملہ احکام کی تفہیم اور روح کو سمجھنے کے لیے نظم انتہائی اہم ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی (۱۴۱۹ھ) نظم کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں:

"نظم کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ محض علمی لطائف کی قسم کی ایک چیز ہے جس کی قرآن کے اصل مقصد کے نقطہ نظر سے کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے ہمارے نزدیک تو اس کی اصل قدر و قیمت یہی ہے کہ قرآن کے علوم اور اس کی حکمت تک رسائی اگر ہوسکتی ہے تو اس کے واسطے سے ہوسکتی ہے۔ جو شخص نظم کی رہنمائی کے بغیر قرآن کو پڑھے گا وہ زیادہ سے زیادہ جو حاصل کر سکے گا وہ کچھ منفرد احکام اور منفرد قسم کی ہدایات ہیں۔(۲۴)

نظم کا لحاظ قرآن کریم میں انتہائی اہم ہے قرآن کریم کے لغوی معنی کسی اور بات پر دلالت کر رہے ہوں اور نظم مجازی معنی کا متقاضی ہو تو لغوی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی اختیار کیا جائے گا۔ علامہ زرکشی رقمطراز ہیں:

مفسر کو کلام کے سیاق کو مد نظر رکھ کر نظم کلام کے مطابق آیات کا مفہوم بیان کرنا چاہئے خواہ اس کے لیے لغوی کی بجائے اس کے مجازی معنی ہی کیوں نہ لینے پڑیں۔ یہی وجہ

ہے کہ صاحب کشاف آیت کا مفہوم سیاق کلام کے مطلب اس طرح پختگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں گویا اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم مراد ہو ہی نہیں سکتا(۲۵)

نظم کلام کی رعایت نہ رکھنے کی بناء پر امت مسلمہ میں گروپ بندی ہے اور دشمنان اسلام اور اہوا پرست لغوی معنی کی بنیاد پر قرآن سے اپنی خواہشات کے مطابق استدلال کر کے اپنے مطالب کے مفاہیم پیش کرتے ہیں اور امت کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں مثلاً قرآن کی آیت: ۸ ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَو تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِم. فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾(۲۶) سے لائف انشورینس کے حمایتی استدلال کرتے ہیں۔لیکن اگر اس آیت کے سیاق و سباق کو مد نظر رکھ کر مفہوم بیان کیا جائے تو باطل استدلال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کیوں کہ سیا ق میں مضمون وراثت کی تقسیم کا چل رہا ہے اور جب وراثت تقسیم ہوتی ہے تو اس میں خطرہ رہتا ہے کہ کہیں کمزور بچوں اور یتیموں کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

آیت ہٰذا میں اللہ تعالیٰ شانہ اس بات کو حکیمانہ انداز میں سمجھا رہے ہیں کہ وراثت کی تقسیم میں بچوں کو اپنے اوپر قیاس کرو۔ مثلاً تم مر گئے ہو اور وراثت تقسیم ہو رہی ہے تمھارے کمزور بچوں کے ساتھ اگر بے انصافی ہو تو تمھیں کتنا ناگوارا گزرے گا اس لیے اللہ سے ڈرو اور دوسروں کے بچوں کا حق نہ کھاؤ، اور بعد والی آیت بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے کہ یتیموں کا مال ظلماً کھانا اپنے پیٹ میں آگ بھرنے کے مترادف ہے۔

مولانا امین اصلاحی ملحدین اور گمراہوں کی فتنہ پر دازی کا سبب نظم قرآن سے بے اعتنائی کو قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

> ہمارے اندر جتنے بھی گمراہ فرقے پیدا ہوئے ہیں ان میں سے اکثر نے قرآنی آیات ہی کا سہارا لیا ہے۔ایک آیت کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹا اور پھر جو جی میں آیا اس کے اندر معانی پہنا دیے، ظاہر ہے کہ ایک کلام کو اس کے نظم اور سیاق و سباق سے الگ کر کے اس کے اندر آپ معنی پہنانا چاہیں تو بہت سے معانی پہنا سکتے ہیں۔(۲۷)

اگر قرآن کریم کے مفاہیم بیان کرنے میں علماء نظم کا لحاظ اہتمام سے کریں تو کسی قسم کی الحاد پرستی کا فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔

مفسرین کے ہاں قرآن کی تفسیر کا ایک متفقہ اصول بلکہ اصول اول تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زیر غور آیت کے نظم و تالیف اور سیا ق و سباق یعنی ماقبل و مابعد کے مضمون

پر غور کیا جائے اور آیت کا وہ مفہوم بیان کیا جائے جو نظم کلام اور سیاق و سباق کے منافی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ مربوط ہو اس لیے سیاق و سباق کی روشنی میں مفہوم متعین کرنا بھی تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک قسم ہے۔

قرآن کریم کے کئی مقامات پر قرآن مجید میں تدبر اور غور و فکر کی تاکید کی گئی ہے اس سے مراد یہی ہے کہ الفاظ و کلمات کے معانی بھی معلوم کیے جائیں اور ما قبل و ما بعد کے مضمون کو بھی مدنظر رکھا جائے۔

نظم کا ارتقاء:

ابتداء میں نظم قرآن سے متعلق کیا نظریات تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں (ایک تاریخی جائزہ)

عہد نبوی ﷺ اور خلفاء راشدینؓ خصوصاً خلفاء ثلاثہ کے عہد میں مسلمان مسائل دینیہ میں اور بالخصوص ایسے مسائل متشابہ میں جن کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو سکتا تھا، لمبی چوڑی بحثیں نہیں کیا کرتے تھے۔ مثلاً جبر و اختیار، ذات و صفات الٰہیہ کی حقیقت وغیرہ، اس دور میں مسلمان صرف قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے سامنے سرتسلیم و رضا خم کیا کرتے تھے کہ یہ ایسی بنیادیں تھیں کہ باطل کہیں ان کے ساتھ گڈمڈ نہیں ہو سکتا تھا اور مسلمان اپنے دینی و دنیوی معاملات اور اختلافات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے قرآن کی روح کو سمجھنے اور سنت نبوی ﷺ پر عمل کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دین کے اعلیٰ مراتب حاصل کیے، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی قرآنی مباحث احادیث، آثار اور اقوال صحابہ تک محدود تھیں۔

اعجاز قرآن بیان کرنے کی وجوہات

دوسری صدی ہجری کے نصف دوم کے قریب ابن مقفع اور دوسرے بے راہر و مفکرین کی قرآن کے اسلوب پر تنقیداور مسلمانوں میں فکری تحریک کا پیدا ہونا۔

قرآن کی حقانیت اس کے اعجاز کی بنیاد پر ہے اور نظم کے قائلین علماء کے نزدیک قرآن کریم اپنی عدیم النظیر فصاحت و بلاغت، حسن ترتیب اور نظم کی وجہ سے معجزہ ہے۔ قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات میں الفاظ کاا اعجاز، ترکیب کا اعجاز، اسلوب کا اعجاز اور نظم کا اعجاز شامل ہے۔

بدیع القرآن کے مصنف علامہ ابن ابی الاصبع مختلف ماہرین بلاغت کے اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

"**ومن هذا نفهم أن القرآن معجز بالفاظه و اسلوبه ونظمه و اثره فی النفوس**"(۲۸)
ماہرین بلاغت کی اِن آراء سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم اپنے الفاظ، اسلوب، نظم اور دلو ں پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے معجزہ ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ وجوہ بیان کی جائیں جن کی بنیاد پر علماء و ادباء قرآن کریم کے اعجاز اور بلاغی پہلوؤں کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے، مفسرین میں وسعت نظری اور عقلیت پسندی کا رجحان پیدا ہوا اور وہ قرآن کریم کے ادبی جمال اور معانی و محاسن کو اجاگر کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

الف: حضرت عثمانؓ (۳۵ھ) و حضرت علیؓ (۴۰ھ) کے زمانوں میں سیاسی فتنوں نے سر اٹھایا اور جلد ہی یہ سیاسی اختلافات مذہبی جھگڑوں میں بدل گئے، حضرت علیؓ کی حمایت میں فرقہ شیعہ پیدا ہوا۔ ایک جماعت امویوں کی حمایت کے لیے قائم ہوئی، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ (۶۰ھ)میں تحکیم کے نتیجہ میں خوارج کی جماعت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی ایک جماعت غیر جانبدار رہی۔ مذکورہ تمام فرقے اپنی تائید اور حمایت کے لیے قرآن کے معانی میں گہری غور و فکر کرنے لگے۔یوں مسلمانوں میں ایک محدود لیکن قوی فکری تحریک پیدا ہوئی۔

ب: بہت سے ممالک فتح ہوئے، مسلمانوں کا وہاں کے باشندوں سے میل جول بڑھا اور وہ لوگ تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے مسلمانوں سے مختلف تھے اور یہاں بہت سے مذاہب کے لوگ آباد تھے، خصوصاً شام کے علاقوں میں اسلام کے آنے سے قبل مذہبی اختلافات چلے آرہے تھے اور ان میں فلسفی مباحث عروج پر تھیں۔ اسی طرح عراق اور فارس میں زرتشت اور دیگر مذاہب سے اسلام کا تصادم ہوا۔ ان مذاہب کے لوگوں پر اعتراضات، نبیﷺ کی نبوت اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر ہوتے تھے۔مسلمانوں پر دین کا دفاع اور ان کے شبہات کا ازالہ کرنا ضروری تھا ایسی حالت میں مسلمانوں نے عقلی دلائل ایجاد کیے اور اسلام کے مخالفین کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا یا ان کے شبہات کا جواب دے کر ان کو خاموش کرایا اور نبوت محمدیﷺ کی حقانیت اور قرآن کے اعجازکو ثابت کیا۔

ج۔ کوفہ، بصرہ مسلمانوں کے بڑے مراکز بنے اور یہاں لغوی اور نحوی علماء میں بہت سے مسائل موضوع بحث بنے۔ مسئلہ اعجاز قرآن بھی ان مسائل میں سے ایک تھا۔

د: خلفاء راشدین اور امویوں کے عہد میں بے جا اظہار خیال کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی اور دین پر طعن کرنے والوں پر تلوار لٹک رہی تھی لیکن آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد(۲۹) نے لوگوں کو آزادئ رائے دی۔ اس کے عہد میں سب سے پہلے قرآن پر حملہ ہوا اور

کھلے عام کہا جانے لگا کہ قرآن کی فصاحت معجزہ نہیں ہے اور لوگ اس جیسا بلکہ اس سے بہتر بنانے پر قادر ہیں اور اسی خلیفہ کے دور میں قرآن کریم کو اعلانیہ مخلوق قرار دینے کے فتنہ کی ابتداء ہوئی یہ باتیں مسلمانوں میں بہت بڑا خطرہ تھیں۔ تو تمام مسلمانوں نے اختلاف مذاہب کے باوجود اپنی آراء کی تائید کے لیے قرآن کی طرف رجوع کیا۔

ر: جب خلافت امویوں سے عباسیوں کو منتقل ہوئی اور خلیفہ منصور(۳۰)تخت نشین ہوا تو اس نے یونانی، فارسی اور ہندی کتابوں کے عربی میں تراجم کرائے اور لوگوں کا پہلی دفعہ ان علوم سے واسطہ پڑا۔ اور اکثر عباسی خلفاء کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حکومت و سیاست کے امور کے علاوہ دینی معاملات میں تسامح برتتے تھے لوگوں کی عقلوں کو علوم جدیدہ کی وجہ سے جلا ملی اور یہ حریت فکر کا عہد تھا نتیجتاً عقلی اجتہاد عام ہوا۔

س: اسی دور میں دوسری صدی ہجری کے نصف کے قریب ابن مقفع(۳۱) اور دوسرے بے راہرو مفکرین جمع ہو کر قرآن کو تختہ مشق اور قرآن کے نظم اور اسلوب کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے ۔اسی طرح مامون (۳۲)کے دور میں بے راہرو مفکرین جماعت اور اہل مذاہب باطلہ کو اجازت دی گئی، وہ کھلے عام نبوت اور قرآن کے اعجاز اور اسلوب پر طعن کرتے تھے اور مامون خلق قرآن کا قائل اور زبردست حامی تھا۔

مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر علماء نے قرآن کے دفاع کا بیڑہ اٹھایا اور منکرین و ملحدین اور بے راہرو مفکرین کے اعتراضات کو دور کر کے قرآن کا اعجاز ثابت کیا۔

نظم اور ربط کا دور اول

دور اول میں علماء ادب و بلاغت اور مفسرین کا زور نظم و مناسبت کے ادبی اور بلاغتی پہلوؤں پر تھا ان کی بحثوں کا گردو پیش اور ماحول و منظر ادب اور بلاغت تھا، نحوی قواعد، استعارات و تشبیہات، ضرب الامثال اور کنایاتی لب و لہجہ سے اس دور کی ادبیات اور نظم و مناسبت کے تانے بانے تیار کیے گئے اور یہی قرآن کا اعجاز سمجھا جاتا تھا۔ قرآنی نظم و مناسبت کے ادبی اور بلاغتی پہلوؤں پر جن ادیبوں اور علماء نے اپنی تحریریں چھوڑی ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ ذیل میں ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

ا۔ ابن قتیبہؒ(۳۳) کی تاویل مشکل القرآن میں قرآن کے بلاغتی پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے اور منکرین و ملحدین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے علامہ شوقی ضیف ابن قتیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وقد صنفه للرد علی الملاحدة و اشباههم الذین یطعنون علی القرآن الکریم، فیقولون ان فیه تناقضا و فسادا فی النظم و اضطرابا فی الاعراب، و هو طعن مرده الی جهلهم باسالیب العربیة و من ثم الف کتابه، لیحق الحق و یبطل الباطل، عارضا فیه بعض آی الذکر الحکیم مستشهدا لها بنصوص الشعر، لیقیم الدلیل علی ما یقوله و یسقط دعوی الطاعنین و یمحوها"(۳۴)

ابن قتیبہ نے تاویل مشکل القرآن میں ملحدین کے شبہات کا جو وہ قرآن پر کیا کرتے تھے کہ قرآن میں تناقض ہے تضاد، نظم کی کمی اور اعراب میں اضطراب ہے، کا جواب دینے کے لیے تصنیف کی۔ ان اعتراضات کا اصل عربی زبان کے اسالیب کے بارے میں ان کی لاعلمی ہے اور آپ نے یہ کتاب اس لیے لکھی ہے کہ حق ثابت کر دیں اور باطل رد کر دیں۔ آپ قرآنی آیات پیش کرتے ہیں اور ان پر عربی اشعار سے استشہار کرتے ہیں تا کہ آپ کی بات مخالفین کے خلاف حجت ثابت ہو سکے اور مخالفین کا دعویٰ غلط ثابت ہو سکے۔

ابن قتیبہ قرآن کریم کو منظّم و معجز تصور کرتے ہیں، تاویل مشکل القرآن میں لکھتے ہیں:

"الحمد الله الذی نهج لنا سبیل الرشاد و هدانا بنور ولم یجعل له عوجا بل نزله، قیما مفصلا بینا، و قطع بمعجز التالیف اطماع المعاندین و ابانه بعجیب النظم عن حیل المتکلیمن، و جعله متلوا لا یمل علی طول التلاوة، و مسموعا لا تمجه الآذان ولا یخلق علی کثرة الترداد و عجیبا لا تنقضی عجائبه، و مفیدا لا تنقطع فوائده و نسخ به سالف الکتاب، وجمع الکثیر من معانیه فی القلیل من لفظه، و ذلک معنی قول رسول اللهﷺ اوتیت بجوامع الکلم"(۳۵)

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں سیدھے راستے پر چلایا اور ہمیں قرآن کے نور سے ہدایت عطاء کی اور اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں بنایا بلکہ اس کو مضبوط مفصل اور واضح بنایا، اپنے معجزانہ اسلوب سے اس نے مخالفین کے تمام حیلوں اور تدبیروں کو ناکام بنایا۔ اس کے عجیب و غریب نظم نے ادباء کو بے بس کر دیا اور اس کو شیریں بنایا کہ آدمی تلاوت کرتے کرتے نہیں تھکتا۔ کان سنتے سنتے سیر نہیں ہوتے۔ اس کی عجائب ختم ہونے والے نہیں اور اس کے فوائد ختم ہونے والے نہیں۔ اس نے سب کتب کو منسوخ کر دیا اور کم الفاظ میں کثیر معانی کو جمع کر دیا رسول اللہﷺ کے اس ارشاد اوتیت بجوامع الکلم (۳۶) کا یہی مطلب ہے۔

ابن قتیبہ کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اس کو منظّم مانتے ہیں اور ابن قتیبہ نے جن قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے ان کے مباحث کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کا جمال و جلال اس کے اسلوب میں پوشیدہ ہے آپ ایک آیت کو پیش کرتے ہیں اس کے الفاظ کے موقع و محل پر گفتگو کرتے ہیں اس کے سیاق و سباق کا حوالہ دیتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آیت میں جس جملہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں رکھ دیا ہے وہیں وہ زیادہ موزوں اور مناسب لگتا ہے اور انگشتری میں نگینہ کی طرح اپنا مقام بنا لیتا ہے۔ اگر اسے وہاں سے ہٹا لیا جائے تو جملے کا سارا حسن ختم ہو جائے اور معنی میں خلل واقع ہو جائے مثلاً استعارہ پر گفتگو کرتے ہیں تو بہت سی آیات کو پیش کرتے ہیں:

"یوم یکشف عن ساق أی عن شدة الأمر کذلک قال قتادة و اصل هذا ان الرجل اذا وقع فی امر عظیم یحتاج الی معاناته و الجد فیه، شمرعن ساقیه، فاستعیرت الساق فی موضع الشدة"(۳۷)

جس دن پنڈلی کو کھولا جائے گا۔ یعنی معاملے کی شدت کی وجہ سے۔ حضرت قتادہ نے یہ مفہوم بیان کیا ہے اور فرمایا ,,کہ جب کسی شخص کا پالا کسی بڑی چیز سے پڑجائے جس میں ان کو سختی اور مشقت کا سامنا ہو تو وہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے کو اٹھا کر اکٹھا کرتا ہے اسی سے ساق یعنی پنڈلی کسی شدت کے مقام کے لیے مستعار لی گئی۔

ابن قتیبہ نے یہاں یہ ثابت کیا کہ ساق کا لفظ یہاں اس طرح پیوست ہے جیسے انگشتری میں نگینہ ہو۔ اسی طرح دوسری جگہ یہ آیت پیش کرتے ہیں:

"وافئدتهم هواء: یرید انها لا تعی خیرا، لان المکان اذاکان خالیا فهو هواء حتی یشغله الشیء،،(۳۸)

اور دل خالی ہیں یعنی اس سے یہ مطلوب ہے کہ یہ خیر کو اپنے اندر محفوظ نہیں رکھتے۔ کیوں کہ جب مکان خالی ہوتا ہے تو جب تک اس میں کچھ رکھا نہیں جائے وہ خالی رہتا ہے۔

اسی طرح ابن قتیبہ بلاغت کے تمام گوشوں میں قرآن کریم کے اسلوب کو اجاگر کرتے ہیں۔ چنانچہ حذف کے باب میں لکھتے ہیں :

"ان تحذف المضاف و تقیم المضاف الیه مقامه و تجعل الفعل له کقوله تعالی واسئل

القرية التی کنا فیھا، أی سل اھلھا''(۳۹)
مضاف کو حذف کر دیا جائے اور اس کی جگہ مضاف الیہ کو رکھ دیا جائے اور فعل اس سے متعلق ہو جائے۔ مثلاً ''و اشربوا فی قلوبھم العجل، ای حبہ''۔

اسی طرح ابن قتیبہ نے تکرار، مجاز اور بلاغت کے تمام گوشوں پر قرآن کی مثالوں اور اشعار کے استشہاد کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ابن قتیبہ اس امر سے متفق ہیں کہ قرآن کی بلاغت اور اس کے اعجاز کا راز اس کے نظم اور ربط و ترکیب میں پوشیدہ ہے اور قرآن کی یہ تالیف و ترتیب اس قدر حکیمانہ ہے کہ ذرا سے الفاظ کے ہیر پھیر سے معانی بدل جاتے ہیں اسی لیے قرآنی ادب کو کسی دوسری زبان میں بعینہ منتقل کرنا ناممکن ہے ان کے یہ خیالات تاویل مشکل القرآن میں عملی جامہ پہنے نظر آتے ہیں جہاں نظم کی فکر کو بلاغت کے حسن و جمال سے نکھارتے ہوئے قرآن کے اعجاز کو بڑی کامیابی سے نمایاں کرتے ہیں۔

لیکن نظم کی کلید کس کے ہاتھ آ سکتی ہے؟ علامہ ابن قتیبہ فر ماتے ہیں:

''وانما یقف علی فضل القرآن من کثر نظرہ و اتسع علمه و فھم مذاھب العرب و افتنانھا فی الاسالیب، و ما خص اللّٰہ به لغتھا دون جمیع اللغات فانه لیس فی جمیع الامم امة اوتیت من المعارضة و البیان و اتساع المجال ما اوتیته العرب من اللّٰہ ارھصه فی الرسول و ارادہ من اقامة الدلیل علی نبوته با لکتاب فجعله علمه کماجعل علم کل نبی من المرسلین من اشبه الامور بمافی زمانه المبعوث فیه ،،(۴۰)

قرآن کی فضیلت سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے جو گہری نظر، فراخ اور بے پایاں علم رکھتا ہو اور عربوں کے اطوار اور مذاہب سے واقف ہو، ان کی اسالیب پر مہارت تامہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے دوسری زبانوں کے مقابلے میں اس عربی زبان کو جو خصوصیات عطا کی ہیں ان سے آگا ہ ہو کیوں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جسے بیان و توضیح کی اتنی اعلیٰ صلاحیت اور زبان پر قدرت دی گئی ہو جتنی عربوں کو عطا کی گئی ہے۔ اور یہی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ معیار رسول کریمﷺ کو دیا گیا اور کتاب الٰہی کے ذریعے ان کی نبوت کی صداقت کی دلیل فراہم کی۔ اس لیے نبی کو اس زمانہ میں مروج علوم سے ملتا جلتا علم دیا گیا جیسا کہ ہر نبی کو اسی زمانے کے مطابق علم دیا جاتا ہے۔

ابو الحسن علی بن عیسیٰ رمانی (۲۹۶-۳۸۴ھ)(۴۱)

ابن قتیبہ کی طرح رمانی قرآن کریم کی بلاغت کو قرآن کا اعجاز قرار دیتے ہیں اور قرآن کو

بلاغت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز سمجھتے ہیں:

”فا ما البلاغة فهی علی ثلث طبقات منها ما هو فی اعلی طبقة و منها ما هو فی ادنی طبقة و منها ما هو فی الوسائط بین اعلی طبقة فماکان فی اعلاها طبقة فهو معجز و هو بلاغة القرآن و ماکا ن منها دون ذلک فهو ممکن کبلا غة البلغاء من الناس“(۴۲)

بلاغت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ قسم ہے دوسرا ادنیٰ طبقہ ہے اور تیسری قسم اعلیٰ اور ادنیٰ کے درمیان ہے۔ بلاغت کی اعلیٰ قسم معجزہ ہے اور وہ قرآنی بلاغت ہے اس کے علاوہ بلاغت کی اقسام انسانی رسائی میں ہیں جیسے ادیبوں کی بلاغت۔

علامہ رمانی بلاغت کی تعریف بھی کرتے ہیں کہ بلاغت کیا ہے؟ بلاغت یہ نہیں کہ مطلب سمجھ آ جائے کیوں کہ دو آدمی جب بات کر رہے ہو ں ایک ان میں سے بلیغ ہو اور دوسرا جاہل ہو تو دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

انما البلاغة ایصال المعنی الی القلب فی احسن صورة من اللفظ(۴۳)

بلکہ حسن الفاظ کے ذریعے دل تک بات پہنچانے کا نام بلاغت ہے۔

رمانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رمانی کے نزدیک نظم قرآن بلاغت اور فن کے اعجاز میں سے ہے جسے رمانی واضح کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ نظم قرآن کے باب میں نئے اضافے کیے ہیں اور ان کا قرآنی آیات پر اطلاق کر کے مثالوں سے واضح کیا ہے۔ اس طرح رمانی اپنے متقدمین پر سبقت لے گئے اور متأخرین کے لیے نئی راہیں کھول گئے لیکن آپ کے بعد آپ کے زمانے میں اس باب میں کوئی قابل قدر اضافہ نہ ہو سکا۔

قاضی عبد الجبار اسد آبادی (۳۵۹۔۴۱۵ھ)(۴۴)

قاضی عبد الجبار اسدآبادی وہ پہلے ادیب ہیں جنھوں نے نظم قرآن کو ایک فن کی واضح شکل دی اپنی کتاب المغنی فی ابواب التوحید و العدل میں رقمطراز ہیں:

اعلم ان الفصاحة لا تظهر فی افراد الکلام و انما تظهر فی الکلام بالضم علی طریقة مخصوصة ولابد مع الضم من ان یکون لکل کلمة صفة و قد یجوز فی هذه الصفة ان تکون بالمواضعة التی تناول الضم و قد تکون بالاعراب الذی له مد خل فیه و قد تکون بالموقع ولیس لهذه الاقسام الثلاثة رابع لأنه اما تعتبرفیه الکلمة او حرکاتها او موقعها ولا بد من هذا لا عتبار فی کل کلمة ثم لا بد من اعتبار مثله فی الکلمات اذ

نضم بعضها الی بعض لأنه قد یکون لها عندالانضمام صفة و کذلک لکیفیة اعرابها و حرکاتها و موقعها فعلی هذا الوجه الذی ذکرناه انما تظهر مزیة الفصاحة بهذه الوجوه دون ماعداها،،(۴۵)

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ فصاحت کا اظہار مفرد کلمات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک مخصوص طریقہ کو اختیار کر کے کلام میں نظم و ارتباط پیدا کرنے سے فصاحت پیدا ہوتی ہے۔نظم و تالیف کے ساتھ ہر لفظ کی ایک صفت ہونی چاہیئے یہ صفت بسا اوقات نظم و ترتیب سے اپنا مقام بناتی ہے اور کبھی اعراب کے ذریعے اور کبھی موقع و محل سے امتیاز حاصل کر لیتی ہے ان تینوں کے علاوہ کوئی چوتھی شکل نہیں ہے کیوں کہ یا تو کلمہ کا لحاظ کیا جائے گا یا اس کی حرکات یا اس کے موقع و محل کا اور اس میں ہر کلمہ ملحوظ خاطر ہونا چاہیئے اور تالیف و باہم ارتباط کے وقت کلمات میں اس چیز کو دیکھنا ناگزیر ہے کیوں کہ تالیف کے وقت بسااوقات کوئی صفت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح ان کے اعراب و حرکات اور موقع و محل کی کیفیت کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے اسی وجہ سے فصاحت کی خوبی انہی مذکورہ وجوہ کی بنیاد پر ظاہر ہوتی ہے۔

قاضی عبد الجبار اپنے استاذ پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں جو فصاحت کے لیے نظم کو ضروری نہیں سمجھتے، پہلے اپنے استاذ ابوھاشم(۲۳۵۔۳۰۳ھ) کے نکتہ نظر کو واضح کرتے ہیں:

"**قال شیخنا ابو هاشم اما یکون الکلام فصیحا لجزالة لفظه و حسن معناه ولا بد من اعتبار الامرین لانه لو کان جزل اللفظ رکیک المعنی لم یعد فصیحا فاذن یجب ان یکون جامعا لهذین الامرین ولیس فصاحة الکلام بان یکون له نظم مخصوص**"(۴۶)

ہمارے شیخ ابو ھاشم کے نزدیک کلام فصیح اس وقت ہوتا ہے جبکہ الفاظ عمدہ اور معانی حسین ہوں اور ان دونوں چیزوں کا وجود فصاحت کے لیے ضروری ہے کیوں کہ اگر الفاظ عمدہ ہوں اور معانی رکیک ہوں تو کلام فصیح نہیں ہوتا۔

شوقی ضیف ابو ھاشم کے نظریات پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"**وکلام ابو هاشم صریح فی ان النظم لا یصلح ان یکون مفسرا لفصاحة الکلام لان النظم قد یکون واحدا و یفضل ادیب صاحبه فیه وکانه یرد بذلک علی الجاحظ و امثاله الذین یرجعون اعجاز القرآن الی نظمه و طریقته، و یقول انه لا یوجد فی الکلام الا اللفظ والمعنی ولا ثالث لهما و اذن فلا بد ان تکون الفصاحة راجعة الیهما بحیث**

یکون اللفظ جزلا والمعنی حسنا(۴۷)

ابو ہاشم کی بات میں یہ صراحت ہے کہ نظم فصاحت کی تفسیر نہیں کرتا کیوں کہ کبھی نظم ایک ہوتا ہے اور ایک ادیب دوسرے ادیب سے اس میدان میں سبقت لے جایا کرتا ہے۔گویا ابو ھاشم جاحظ وغیرہ پر تنقید کرتے ہیں جنھوں نے نظم قرآن کو اعجاز کا سبب سمجھا ہے اور ابو ھاشم یوں کہنا چاہتے ہیں کہ کلام میں لفظ اور معنی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس لیے فصیح کلام ان دونوں کی خوبیوں سے مزین ہو گا کوئی تیسری چیز اس میں دخیل نہ ہو گی تو فصاحت بس اسی بات کا نام ہو گا کہ الفاظ عمدہ اور معنی خوبصورت ہو۔

شوقی ضیف اس کے بعد قاضی عبد الجبار اسد آبادی کا تبصرہ نقل کرتے ہیں:

"ان العادة لم تجر بأن یختص واحد بنظم دون غیره فصارت الطرق التی علیها یقع نظم الکلام الفصیح معتادة کما ان قدر الفصاحة معتاد فلا بد من معیة فیهما و لذلک لا یصح عندنا (یرید المعتزلة فی عصره) ان یکون اختصاص القرآن بطریقة فی النظم دون الفصاحه التی هی جزالة اللفظ و حسن المعنی"(۴۸)

حالات بتاتے ہیں کہ کبھی کسی ادیب کے ساتھ کوئی نظم مخصوص نہیں رہا کہ دوسرا ادیب اس میں حصہ نہ بنا سکے۔ کلام فصیح کے نظم کے طریقے عام ہیں اسی طرح فصاحت کا معیار بھی عام ہے، ضروری ہے کہ ان دونوں میں مزید خوبی ہو اور اسی وجہ سے ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے (اپنے زمانے کے معتزلہ مراد لے رہے ہیں) کہ قرآن کریم لفظی اور معنوی خوبیوں پر مشتمل وضاحت کے علاوہ وہ کسی "نظم کے طریقہ" سے مختص ہو۔

قاضی عبد الجبار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآنی فصاحت حسن الفاظ اور حسن معانی کے ساتھ مخصوص طریقہ نظم بھی چاہتاہے۔

علامہ شوقی ضیف قاضی عبد الجبار اسد آبادی کو علم نظم کا بانی قرار دیتے ہیں:

"والمهم ان عبد الجبار یودع بین ایدینا الآن مفاتیح النظم التی استمد من تو قیعه علیها کتابه دلائل الاعجاز"(۴۹)

اہم بات یہ ہے کہ عبد الجبار نے ہمیں نظم کی سروں کی چابیاں تھما دیں اور جن کی بنیاد پر عبد القاہر جرجانی نے اپنی کتاب دلائل الاعجاز لکھی۔

علامہ محمد بن طیب بن جعفر باقلانی(۳۳۸۔۴۰۳ھ)(۵۰)

علامہ باقلانی کے نزدیک قرآن کریم کا اعجاز اس کا نظم ہے آپ نے اپنی کتاب اعجازالقرآن میں ایک فصل ,,فیما یتعلق به الا عجاز،، کے نام سے قائم کی ہے جس میں بتایا ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کے نظم کی وجہ سے ہے،لکھتے ہیں:

''ان قال قائل بینوا لنا ما الذی وقع التحدی الیه، أهو الحروف المنظومة أو الکلام القائم بالذات أو غیر ذلک؟ قیل الذی تحدا هم به ان یا توا بمثل الحروف التی هی نظم منظومة کنظمها متابعة کتتابعها مطردة کاطرادها ولم یتحدا هم الی أن یاتوا بمثل الکلام القدیم الذی لا مثل له و ان کان کذلک فالتحدی واقع الی ان یاتوا بمثل الحروف المنظومة التی هی عبارة عن کلام اللّٰه تعالی فی نظمها و تالیفها و هی حکایة الکلام و دلالا ت علیه و امارات له علی ان یکونوا مستأنفین لذلک لاحقین بما أتی به النبیﷺ،،(۵۱)

قرآن کا چیلنج منظوم و مرکب حروف لانے کا ہے یا قائم بالذات کلام لانے کا ہے یا اعجاز کی وجہ کچھ اور ہے؟ علامہ باقلانی اس کا جواب دیتے ہیں کہ قرآن کا یہ چیلنج تھا کہ قرآن جیسے منظّم و مرکب حروف لے آؤ اور ان کو یہ چیلنج نہیں دیا گیا تھا کہ کلام قدیم کی مثل کلام لے آؤ جس کا کوئی مثل نہیں۔ قرآن کا چیلنج اس وجہ سے واضح ہو گیا کہ وہ قرآن جیسے منظّم حروف نہ پیش کر سکے جو نظم میں بے مثل تھے ۔یہی منظّم حروف خدائی کلام کی حکایت اس کی نشانیاں اور دلالت تھیں۔

علامہ باقلانی کا یہ نظریہ ہے کہ جو شخص اسلوب بیان کی خصوصیات سے آشنا نہ ہو اور جس کو فصاحت و بلاغت سے دلچسپی نہ ہو بس وہی قرآن کے نظم سے بے خبر رہ سکتا ہے:

''ان العجمی لا یمکنه أن یعلم اعجازه استدلا لا و کذلک من لم یکن بلیغا فاما البلیغ الذی قد احاط بمذاهب العربیة و غرائب الصنعة فانه یعلم من نفسه ضرورة عجزه عن الاتیان بمثله و یعلم عجز غیره استدلالا،،(۵۲)

ایک عجمی جو قرآنی ادب کے محاسن سے واقف نہ ہو، اسلوب بیان کی خصوصیات اور امتیازی صفات کا آشنا نہ ہو اورنظم و ربط کی برکتوں کا لذت آشنا نہ ہو وہ قرآن کے اعجاز سے با خبرنہیں ہو سکتا اسی طرح وہ عرب جو بلاغت فصاحت سے دلچسپی نہ رکھتا ہو قرآن

کی معجزانہ حیثیت کو نہیں جان سکتا۔

علامہ باقلانی نظریہ صرفہ کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ کسی کے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ قرآن کریم کا مثل لا سکتا:

معنی قولنا ان القرآن معجز علی اصولنا انه لا یقدر العباد علیه و قد ثبت أن المعجز الدال علی صدق النبی ﷺ لا یصح دخوله تحت قدرة العباد و انما ینفرد الله تعالیٰ بالقدرة علیه،، (۵۳)

ہمارے نزدیک قرآن کے معجزہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس پر کوئی انسان قادر نہیں، اور یہ تحقیقی بات ہے کہ معجزہ نبی ﷺ کے صدق کی دلیل ہوتی ہے اور معجزہ دکھانا بندوں کے بس سے باہر ہوتا ہے، اس پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہوتے ہیں۔

علامہ باقلانی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں دلائل نبوت بھی دیے ہیں اور اعجاز و نظم قرآن پر مخالفین کے جتنے اعتراضات ہو سکتے تھے ان کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے مثلاً یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ:

"ان قال قائل اذاکان النبی افصح العرب و قد قال هذا فی حدیث مشهور و هو صادق فی قوله فهلا قلتم أن القرآن من نظمه لقدرته فی الفصاحة علی مقدار لا یبلغه غیر؟ قیل قد علمنا انه لم یتحدهم الی مثل قوله وفصحاحته و لقدر الذی بینه فی الفصاحة و ذلک مما لا یقع به الا عجاز،، (۵۴)

اگر یہی اعتراض کیا جائے کہ نبی ﷺ افصح العرب تھے اور یہ مشہور حدیث ہے اور آپ ﷺ صادق ہیں تو پھر تم کیا کہو گے کہ قرآن کا یہ نظم اپنی فصاحت کے لحاظ سے آپ ﷺ کی قدرت میں نہیں تھا جہاں آپ ﷺ کے علاوہ کسی کی قدرت نہیں تھی؟ تو اس کا جواب ہو گا کہ لوگوں کو آپ ﷺ کے اقوال کی فصاحت اور اس قدرت کے مقابلے کا چیلنج نہیں دیا گیا تھا جو آپ ﷺ کی فصاحت میں تھی۔

علامہ باقلانی کے نزدیک قرآن کے اعجاز کے تین پہلو ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کا اُمی ہونے کے باوجود سابق انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کا تفصیلی تذکرہ

۲۔ غیب کی پیشین گوئیاں

۳۔ قرآنی بلاغت

علامہ باقلانی کہتے ہیں کہ قرآن کا انوکھا نظم، نادر تالیف و ترکیب اور بلاغت اپنی معراج کو پہنچی ہوئی ہے جہاں تک انسانوں کی رسائی ناممکن ہے۔ (۵۵)

علامہ باقلانی، علامہ رمانی سے بھی متأثر نظر آتے ہیں، اپنی کتاب میں وجوہ قرآن پر ایک فصل قائم کر کے رمانی کی دس وجوہ بلاغت کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور ہر ایک کی تائید میں آیات قرآنی پیش کی ہیں۔

باقلانی پر جامع تبصرہ ابن ابی اصبع مصری نے اپنی کتاب بدیع القرآن میں پیش کیا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

> **"اتسعت دائرة الكلام عن بلاغة القرآن و بديعه فى الشكل و لكن لم يتغير الموضوع وكان اتساعها على يد عالم كانت له فيها جولات واسعة و هو القاضى أبو بكر محمد بن طيب المعروف بالباقلانى و فى الحقيقة أنه يعتبر قنطرة عبرعليها حديث بلاغة القرآن من افكار..."**(۵۶)
>
> بلاغت قرآن کا دائرہ بے مثل شکل میں وسیع ہوا لیکن اس کا موضوع تبدیل نہ ہوا اور اس کی وسعت ایک ایسے عالم کے ہاتھوں ہوئی جس کی علمی دنیا نہایت وسیع تھیں وہ قاضی ابو بکر محمد بن طیب ہیں جو کہ باقلانی کے نام سے معروف ہیں، واقعہ یہ ہے کہ باقلانی کو ایک پل کا مقام حاصل ہے جس پر بلاغت کے مصنفین اور ادباء مبہم منتشر انفرادی خیالات سے گذر کر پختہ سلیم اور مستحکم افکار تک پہنچے ہیں جہاں تنظیم و ارتباط، علمی اسلوب اور واضح شاہراہ موجود ہے۔ باقلانی کا یہ ممتاز انفرادی کارنامہ ایسا ہے جس پر بجا طور پر اسے ایک مدرسہ کا نام دیا جا سکتا ہے جہاں سے علماء بلاغت کی کھیپ فارغ ہوئی اور قرآنی ادب کے مصنفین جوق در جوق فارغ التحصیل ہوئے۔

حمد بن محمد خطابی (۳۱۹۔۳۸۸ھ)(۵۷)

علامہ خطابی قرآن کریم کو فصیح الفاظ، عمدہ معانی، بہترین نظم و تالیف اور حسین مضامین کی وجہ سے معجزہ کہتے ہیں۔ اپنی کتاب البیان فی اعجاز القرآن میں رقمطراز ہیں:

> **واعلم أن القرآن انما صار معجزاً لانه جاء بافصح الفاظ فى أحسن نظوم التاليف مضمنا أصح المعانى من تو حيد له جل و عز و تنزيه له فى صفاته و دعا الى طاعته و بيان منهاج عبادته فى تحليل و تحريم و حظر و اباحة و من و عظ و تقويم وامر**

بمعروف ونهی عن منکر و ارشاد الی محاسن الاخلاق و زجرعن مساویها و اضعا کل شیء منها مو ضعه الذی لا یری شیئا أولی منه و لا یتوهم فی صورة العقل امر الیق به منه ثم اعلم أن عمود هذه البلاغة التی تجتمع لها هذه الصفات هو و ضع کل نوع من الا لفاظ التی تشتمل علیها فصول الکلام موضعه الاخص الذی یکون منه فساد الکلام و اما ذهابا للرونق الذی یکون معه سقوط البلاغة،،(۵۸)

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نظم عمدہ، الفاظ فصیح اور معانی حسین ہیں، توحید کی تعلیم اور اللہ تعالیٰ کی صفات تنزیہ پر مشتمل ہیں اللہ کی اطاعت پر ابھارنے والے اور اس کی عبادت کے طریقوں کو بیان کرنے والے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے ضابطے بتانے والے، وعظ و تبلیغ، امر با لمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کی نشاندہی کرنے والے اور یہ ساری تعلیمات نظم کی لڑی میں اس طرح منسلک ہیں کہ ذرا سا دھاگہ ٹوٹا اور سارے موتی منتشر ہو گئے قرآنی بلاغت ادب کے تمام اسالیب کی جامع ہے جس کی مثال کسی انسان سے نا ممکن ہے۔ الفاظ کو اس طرح مربوط بنا دیا گیا ہے کہ اگر انہیں ان کے مخصوص مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا جائے تو مفہوم گڑبڑ ہو جائے یا وہ چاشنی اور رونق باقی نہ رہے جو قرآن میں موجود ہے۔

علامہ خطابی نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم مستقبل کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے معجزہ ہے۔آپ کہتے ہیں کہ اس طرح کی آیات قرآن کریم کی ہر سورت میں نہیں ہیں جبکہ قرآن کریم مطلقاً ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج دیتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز صرف مستقبل کی پیشین گوئیوں کے صحیح ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نظم اور ربط کی وجہ سے ہے۔(۵۹)

علامہ خطابی قرآن کے اعجاز کے دلائل دینے کے ساتھ ساتھ نظریہ صرفہ کی تردید بھر پور انداز میں کرتے ہیں:

''و ذهب قوم الی الاعجاز فیه الصرفة أی صرفهم عن المعارضة،،(۶۰)

ایک قوم قرآن کو صرفہ کی بنیاد پر معجزہ مانتی ہے یعنی لوگوں کو قرآن کا معارضہ کرنے سے روک دیا گیا تھا باوجودیہ کہ وہ اس پر قادر تھے۔

وہ اس پر دلیل دیتے ہیں کہ اگر اللہ کسی نبی کو یہ معجزہ عطا فرماتے کہ وہ اپنی قوم کے سامنے

بیٹھ کر ہاتھ ہلائے۔اس کی قوم اس سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کرتی کہ آپ کا معجزہ کیاہے؟ تو وہ فرماتے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں ہلاتا ہوں اور تم میں کوئی میری طرح ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے؟ قوم تندرست بدن اور اعضاء ہونے کے باوجود نبی کی طرح ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کرتی تو ایسا نہ کرسکتی تو یہ نبی کے سچا ہونے کی دلیل ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ معجزہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے اور نہ ہی اس طرف نظر کی جاتی ہے کہ وہ کتنا عظیم الشان ہے۔ بس معجزہ کی صحت کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ لوگ اس کو توڑ نہ سکیں یہ بات نبی کی نبوت پر دلیل بن جاتی ہے:

"الا أن دلالة الآية تشهد بخلافه وهو قوله تعالى﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾"(٦١)

یہ آیت ان کے نظریہ صرفہ کے خلاف جاتی ہے۔ یہ آیت اس بات پر زور دے رہی ہے کہ تمام جن وانس قرآن کی نظیر پیش کرنے کی تیاری کریں اور دیدہ ریزی کریں تب بھی ایسا نہیں کر سکتے اور ثابت ہوا صرفہ کا یہ نظریہ جو انہوں نے گھڑا اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

علامہ عبد القاہر جرجانی (۴۷۱ھ)(۶۲)

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں قرآن کے نظم و مناسبت کے ادبی اور بلاغتی پہلوؤں پر جو کام ہوا اس کو بنیاد بنا کر پانچویں صدی ہجری میں علامہ عبد القاہر جرجانی نے اس فکر کو مستحکم کیا۔ الفاظ و معانی کے نظام کے حوالہ سے آپ نے نظم قرآن کی باقاعدہ نظم کاری کی۔ اس ادبی تناظر میں علامہ جرجانی کو نظم و مناسبت کا پہلا مصنف قرار دیا جا سکتا ہے۔

علامہ جرجانی اسی کلام کو بلیغ تصور کرتے ہیں جو عمدہ اور دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ نظم و ربط کے اصولوں کے مطابق ہو، اپنی کتاب دلائل الاعجاز میں لکھتے ہیں:

بلاغت و فصاحت اور بیان و براعت کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ کلام اپنا مفہوم و مدعا کے اظہار میں واضح اور مکمل ہو اور جس صورت و پیکر میں کلام پیش کیا گیا ہے وہ دلکش، باوقار، خوبصورت اور بارونق ہو کہ دلوں پر چھا جائے، انسان کو فوراً اپنی طرف متوجہ کرے، دماغ اور ذہن کو اپیل کرے اور مخاطب کے قلب میں انفعالی کیفیت پیدا ہو جائے یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ مدعا کے اظہار کے لیے جو اسلوب اختیار کیا جائے وہ سب سے بہتر ہو جن الفاظ کا استعمال کیا جائے وہ ان مفاہیم کے لیے مخصوص مزین اور موزوں ہوں اور کلام میں مزید حسن اور جمال پیدا

کر سکیں۔(۶۳)

علامہ جرجانی کے نزدیک مفرد الفاظ کی کوئی حیثیت نہیں جب تک ان کا استعمال صحیح موقع سے نہ کیا جائے کیوں کہ بلاغت مفرد الفاظ میں بجائے خود نہیں ہوتی بلکہ جب انہیں ایک لڑی میں پرو دیا جائے، وہ ایک دوسرے سے مربوط و منسلک ہو جائیں اور مفہوم و مدعا کے اظہار کے لیے ان کی دلالت واضح ہو تو وہی جملے فصاحت و بلاغت کی معراج کو پہنچتے ہیں:

علامہ فرماتے ہیں:

"و اذا کان هذا کذلک فینبغی ان ینظر الی الکلمة قبل دخولها فی التالیف و قبل ان تصیر الی الصورة التی بها یکون الکلم اخبارًا و امراً او نهیا و استخبارا و تعجبا و تؤدی فی الجملة معنی من المعانی التی لا سبیل الی افادتها الا بضم کلمة الی کلمة و بناء لفظة علی لفظة،،(۶۴)

تو اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایک کلمہ کو جو کلام میں امر ،نہی ،خبر اور تعجب کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے اگر کلام سے نکال دیا جائے تو پھر بھی وہی معنی دے گا اس سے ظاہر ہوا کہ کلمات اور حروف کو جب تک ملایا نہ جائے اس وقت تک وہ مفید معنی نہیں دیتے۔

اس بات کی مزید تشریح اس طرح کرتے ہیں:

"ان تفاضل الکلمتان المفردتان من غیر أن ینظر الی المکان الذی تقعان فیه من التالیف و النظم بأ کثر من ان تکون هذه مالو فة مستعملة و تلک غریبة و حشیة أو أن یکون حروف هذه أخف و امتزاجها أحسن و مما یکد اللسان العبد و هل تجد أحدا یقول هذه اللفظة فصیحة الا و هو یعتبر مکانها من النظم و حسن ملائمة معناها لمعانی جاراتها و فضل مؤ نستها لا خوا تها،،(۶۵)

دو مفرد کلموں میں کوئی وجہ فضیلت نہیں جب تک یہ نہ دیکھا جائے کہ وہ کس جگہ واقع ہیں ان کا نظم و ربط کس درجے کا ہے۔ پھر کوئی حکم لگایا جائے گا کہ یہ طریقہ نظم مانوس اور مستعمل ہے اور یہ اجنبی اور غیرمانوس ہے یا یہ کہا جائے کہ اس طریقہ نظم میں حروف ہلکے پھلکے اور ان کا امتزاج عمدہ ہے اور جو زبان کو کھردرا محسوس ہو تو اسے طبیعت کے لیے غیر مانوس کہتے ہیں۔کسی کو آپ نے یہ کہتے سنا ہے کہ یہ لفظ فصیح ہے؟ مگر جب اس لفظ کو اس کی مخصوص جگہ میں پرو دیا جائے اور اس سے ماقبل و مابعد والے الفاظ کے ساتھ

بہتر موزونیت رکھتا ہو تو پھر کہتے ہیں کہ یہ لفظ اپنی جگہ پیوست ہے۔

اس کے بعد علامہ جرجانی کہتے ہیں کہ اس بات کو سمجھنے کے لیے جب تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کرے گا تو سارے شکوک دور ہو جائیں گے

﴿وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۶۶)

علامہ جرجانی کہتے ہیں کہ جب تو اس آیت میں غور کرے گا تو تجھے اعجاز اور خوبصورتی نظر آئے گی اور جو تجھے یہ ظاہری خوبصورت اور غالب برتری نظر آ رہی ہے یہ صرف کلموں کو ایک مخصوص انداز میں جوڑنے کی وجہ سے ہے لیکن اگر پہلے لفظ کو دوسرے کی جگہ اور دوسرے کو تیسرے کی جگہ اور تیسرے لفظ کو چوتھے کی جگہ رکھا جائے تو پھر بھی یہ خوبصورتی اور فضیلت نظر آئے گی؟ یعنی نہیں آئے گی۔

ادباء میں اس امر پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ فصیح کلام الفاظ کے حسن کی بنیاد پر ہے یا معانی کی تاثیر کلام کو فصیح بناتی ہے یا دونوں مل کر کلام کو فصیح بناتے ہیں بعض لوگوں نے معنوی حسن کی طرف توجہ دی ہے اور بعض لوگوں نے الفاظ پر زور دیا، کیوں کہ الفاظ ہی نظم کلام پر معانی کی دلالت کا ذریعہ ہیں۔ یہ تمام مباحث علامہ جرجانی سے پہلے ہو چکی تھیں یعنی علامہ کو یہ سب کچھ ورثہ میں ملا اس لیے علامہ حقیقت تک پہنچ گئے ہمیں نہ محض لفظی جمال ان کی آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے اور نہ ہی معانی کے حسن پر فریفتہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان دونوں کے حسین امتزاج کو فصاحت و بلاغت کے لیے کافی سمجھتے ہیں بلکہ ان کے خیال میں الفاظ اور جملوں کی ترتیب اور ربط و نظام وہ حقیقی شئے ہے جو کلام کو ادبی شکل دیتی ہے اور معنی مراد کے مطابق اجزائے کلام میں بے مثال خوبصورتی پیدا کرتی ہے:

الفاظ و معانی کی اہمیت اور نظم کی ضرورت کو یوں واضح کرتے ہیں:

اگر کسی مفہوم کا ذہن میں سب سے پہلے آنا ضروری ہے تو اس کے لیے استعمال ہونے والا لفظ بھی گویا ئی میں سبقت واولیت حاصل کرے گا اس صورت میں یا تو نظم و ترتیب کے بعد ایک ایسی فکر کی ضرورت محسوس کریں جو الفاظ کو نسق و مناسبت کے ساتھ استعمال کرے تو یہ باطل اور وہمی ہے ۔نظم الفاظ پر آپ غور و فکر کر ہی نہیں سکتے جب تک ان کے حالات و اوصاف کو آپ اچھی طرح نہ سمجھ لیں۔(۶۷)

شوقی ضیف علامہ جرجانی کے نظریہ کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

عبد القاہر جرجانی کے نزدیک الفاظ و معانی اور نظم کے درمیان تعلق یہ ہے کہ نظریہ نظم الفاظ و معانی کے نظریہ کے پس پردہ ہے۔نظم کا نظریہ ان معانی کا حاجت مند ہے جن کی ترتیب کلام میں اور نفس دلالت میں ضرورت پڑتی ہے اور ان معانی کو اسناد، خصائص مبتداء و خبر، متعلقات فعل، وصل و فصل، قصر، ایجاز و اطناب و غیرہ میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ (۲۸)

علامہ جرجانی کے نزدیک منظّم کلام وہی ہے جو علم نحو کے قواعد و قوانین کے مطابق ہو، دلائل الاعجاز میں رقمطراز ہیں:

"و اعلم ان لیس النظم الا أن تضع کلامک الوضع الذی یقتضیه علم النحو و تعمل علی قوانینه و اصوله و تعرف مناهجه ا لتی نهجت فلا تزیغ عنها و تحفظ الرسوم التی رسمت لک فلا تخل بشیء منها و ذلک انا لا نعلم شیئا یبتغیه الناظم بنظمه غیر ان ینظر فی وجوه کل باب و فروقه،،(۲۹)

نظم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کلام کی شکل و صورت وہ ہونی چاہئے جس کا تقاضا علم نحو کر رہا ہے اس کے قوانین اور اصولوں کے مطابق عمل ہو اور اس کے طریقہ و نظام سے مکمل واقفیت ہو ،نہ اس میں سے کچھ کم کیا جائے نہ اضافہ کیا جائے، اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ ناظم کلام اس کے تمام اصولوں اور اس کی فروعات کو مد نظر رکھے بغیر کلام کو منظّم نہیں کر سکتا۔

علامہ جرجانی کچھ مثالیں دینے کے بعد کہتے ہیں کہ کسی کلام کی ادبیت و بلاغت کو دیکھنا ہو،نظم و ربط میں اس کے صحیح مقام و مرتبہ کی تعیین کرنی ہو، گو علم نحو کے پیمانہ سے اسے ناپ لیجئے، اس معیار پر جس قدر وہ پورا ہو گا نظم میں اسی قدر اسے اعلیٰ مقام حاصل ہو گا۔

علامہ جرجانی کے نظریہ کی قدیم و جدید مصنفین نے خوب داد دی ہے آپ کی تعریف و تنقید میں معتبر اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے قرآنی اعجاز کو بیان و بدیع کے حوالے کرنے کی بجائے معانی کی طرف منسوب کیا،نظم کو باقاعدہ فن کی شکل دی، اس کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا، جس کی بنیاد پر قرآن کریم کی تمام آیات اور سورتوں میں ہم آہنگی واضح شکل میں سامنے آئی۔

نظم کا دور ثانی

چھٹی صدی ہجری سے قبل تک علم نظم کا دائرہ بحث ادب و بلاغت تک محدود رہا۔ علامہ زمخشری نے ان مباحث کا عملی طور پر قرآن کریم میں اطلاق کا باقاعدہ آغاز کیا جس سے نظم و مناسبت کے نئے پہلو سامنے آئے اور اس کے بعد علم نظم و مناسبت نے باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی۔

ذیل میں مشہور و ممتاز علماء و مفسرین کے نظریات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری (۴۶۷۔۵۳۸ھ)(۷۰)

زمخشری سے پہلے متعدد علماء ادب اور مفسرین قرآن نے تفہیم قرآن کے لیے علم معانی اور علم بیان کی واقفیت پر زور دیا ہے خصوصاً جاحظ (۷۱)، ابن قتیبہ اور جرجانی قرآن فہمی کے لیے ان علوم سے واقفیت ضروری سمجھتے ہیں لیکن کشاف وہ پہلی مکمل تفسیر ہے جس میں عملی طور پر ان علوم سے واقفیت قدم قدم پر جھلکتی نظر آتی ہے، اور علامہ زمخشری تفسیر و تفہیم میں ان اسرار و لطائف اور معانی و حکم سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

زمخشری کے نزدیک قرآن کریم دو وجہ سے معجزہ ہے۔

الف: انوکھا نظم و ربط

ب: غیب کی پیشین گوئیاں

سورہ ھود کی آیت ﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ ۷۲) کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ کفار سے قرآن جیسی دس سورتیں لانے کا مطالبہ کیا گیا اور یہ وضاحت کر دی گئی کہ اگر وہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ یہ کتاب الٰہی ہے اور علم خداوندی کے مطابق اتری ہے اور ان چیزوں کا علم صرف خدا ہی کو ہو سکتا ہے کیوں کہ اس میں جو عظیم الشان نظم کار فرما ہے وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور غیب کی جو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں ان تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔(۷۳) اسی طرح ﴿فاتوا بسورة﴾(۷۴) کے تحت قرآن کریم کفار کو چیلنج ذکر کرنے کے بعد ﴿ولما یا تھم تاویله﴾(۷۵) کی تفسیر دو طرح سے کرتے ہیں:

الف۔ ,,قلت معناه أنهم كذبوا به على البديهة قبل التدبر و معرفة التاويل لتقليد الآباء وكذبوا بعد التدبر تمردا و عنادا لزمتهم بالتسرع الى التكذيب قبل العلم به،،(۷٦)

میرے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے بے سوچے سمجھے آباء کی تقلید کی وجہ سے

قرآن کریم کو جھٹلا دیا، اور سوچنے کے بعد ضدد اور سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا پھر انھوں نے ان کی مذمت کی کہ انہوں نے علم سے پہلے ہی جھٹلایا۔

ب۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا ہے:

"ولما یأتهم بعد تاویل ما فیه من الاخبار بالغیوب أی عاقبة حتی یتبین لهم أهو کذب أم صدق یعنی انه کتاب معجز من جهتین من جهة اعجاز نظمه و من جهة ما فیه من الاخبار بالغیوب فتسرعوا الی التکذیب به قبل ان ینظروا فی نظمه و بلوغه حد الاعجاز و قبل ان یخبروا اخباره با لمغیبات و صدقه و کذبه"،(۷۷)

انہوں نے ان بیان شدہ اخبار غیبیہ کا انجام نہیں دیکھا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ سچ ہے یا جھوٹ ہے یعنی قرآن کریم کے اعلیٰ درجے کے نظم اور اخبار غیبیہ پر دھیان دیے بغیر تکذیب کر ڈالی۔

مذکورہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ زمخشری قرآن کے نظم کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اعجاز قرآن کا سہرا بھی زیادہ تر نظم پر باندھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اپنی تفسیر میں خالص نحوی تشریحات کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن کے ادبی محاسن کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اس پہلو سے قرآن کا اعجاز ثابت کرتے ہیں۔

زمخشری مختلف قراء توں پر محققانہ بحث کرتے ہیں اور اسی قراء ت کو ترجیح دیتے ہیں جو نظم کلام میں ممدو معاون ہو۔ علامہ زمخشری نے تفکر و تدبر کی راہ اپنائی اور عربی ادب پر عبور حاصل کر کے قرآن کی آیات میں نظم و ربط تلاش کیا اور اسے اپنی تفسیر میں منطبق کر کے دکھایا، اسی لیے قرآن کے ادبی اسالیب، بلاغتی نمونے اور ادبی تمثیلات پر اس سے بہتر انداز میں گفتگو دوسری تفسیروں میں نہیں ملتی۔

فخر الدین رازی (۵۴۴۔۶۰۶ھ)(۷۸)

آپ نے تفسیر کبیر لکھی اور اس میں کلامی مباحث، فلسفہ اور دیگر خوبیوں کے ساتھ ایک اہم خصوصیت ربط آیات و سور ہے ایک آیت کا دوسری آیت اور ایک سورت کا دوسری سورت سے ربط و مناسبت دل نشین انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ ذیل میں علامہ رازی کے نظم و مناسبت سے متعلق نظریات ذکر کیے جاتے ہیں:

علامہ رازی اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون اور موضوع

ہوتا ہے اور سورت کی تمام آیات اسی سے متعلق ہوتی ہیں۔ اس طرح ہر سورت ایک وحدت میں ڈھل جاتی ہے۔

سورۃ حم سجدہ کی آیت ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَت﴾(۷۹) کا ربط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"و کل من انتصف ولم یتعسف علم انا اذ ا فسرنا ھذہ الا یۃ علی الوجہ الذی ذکرناہ صارت ھذہ السورۃ من اولھا الی آخرھا کلاما و احدا منتظما مسوقا نحو غرض واحد،،(۸۰)

ہر شخص جو ہٹ دھرمی کی بجائے انصاف سے کام لے گا تو جیسے ہم نے اس آیت کی تفسیر کی ہے، اسے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ سورت اول سے لے کر آخر تک ایک وحدت میں ڈھلی ہوئی ہے اور اس کی تمام آیات ایک موضوع سے متعلق ہیں

علامہ رازی قرآن کو حسن ترتیب اور نظم کی وجہ سے معجزہ مانتے ہیں۔ علامہ رازی سورۃ بقرہ کے نظم کے بارے میں یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"و من تأمل فی لطائف نظم ھذہ السورۃ و فی بدائع ترتیبھا علم أن القرآن کما أنه معجز بحسب فصاحۃ الفاظه و شرف معانیه فھو أیضا معجز بحسب ترتیبه و نظم آیاته و لعل الذین قالوا أنه معجز بحسب اسلوبه ارادوا ذلک الا أنی رأیت جمھور المفسرین معرضین عن ھذہ اللطائف غیر متنبھین لھذہ الامور ولیس الامر فی ھذا الباب کما قیل:

و النجم تستصغر الأبصار رؤیته والذنب للطرف لا لنجم فی الصغر،،(۸۱)

جو بھی اس سورۃ کے نظم کے لطائف اور بے مثال ترتیب میں غور کرے گا تو اس کو معلوم ہو گا کہ قرآن جیسے فصاحت الفاظ اور معانی کی بناء پر معجزہ ہے ایسے ہی اپنی آیات کی ترتیب اور نظم کی بناء پر معجزہ ہے اور شایدجن لوگوں نے قرآن کو اپنے اسلوب کی وجہ سے معجزہ کہا ہے ان کی مراد بھی یہ ہے۔ تاہم میں نے اکثر مفسرین کو ان لطائف سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔ اور بے خبر دیکھاہے اورر کیا بات یوں نہیں ہے جیسے اس شعر میں بیان کی گئی ہے؟ تارے آنکھوں کو دیکھنے میں چھوٹے لگتے ہیں۔ قصور آنکھوں کا ہے نہ کہ ستارے چھوٹے ہیں۔

علامہ رازی کو فن نظم پر اتنا وسیع عبور ہے کہ ایک آیت کا ما قبل آیت سے تین تین اور چار چار وجوہ سے ربط بیان کرتے ہیں مثلاً آیت﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾(۸۲) کا ماقبل آیت سے چاروجوہ سے ربط بیان کیا ہے۔

الف: جب ماقبل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال علم،قدرت اور شاہی بیان فرمائے ہیں تو یہاں کمال ربوبیت تعالیٰ ہیں تو اس کے فوراً بعد مؤمنین کی کمال بندگی،عاجزی اور فرمانبرداری کا ذکر فرمایا، تو کمال ربوبیت کے ذکر کے ساتھ کمال عبودیت کا ذکر بھی آ گیا اللہ کے عمومی فضل سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنا کمال فضل،رحمت اور احسان ہم پر فرمائے گا۔

ب: ماقبل آیت میں فرمایا کہ اللہ پر ہماری پوشیدگی، ظاہر، باطن اور اعلانیہ کوئی چیز مخفی نہیں پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف سے اپنی تعریف بیان فرما دی جیسے وہ اپنے فضل سے فرما رہے ہیں کہ اے میرے بندے اگرچہ میں تیرے تمام احوال سے واقف ہوں لیکن ذکر صرف تیری مدح اور ثناء کا کروں گا تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ جیسے میں علم قدرت اور بادشاہی میں کامل ہوں ایسے ہی میں سخاوت،رحمت اور حسنات کے اظہار اور سیئات کی تستیر میں کامل ہوں۔

ج: سورہ کی ابتداء متقین کی مدح سے ہوئی﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾(۸۳) اور آخر سورہ میں بتلایا کہ جن کی شروع سورہ میں مدح ہوئی وہ امت محمدﷺ ہیں تو فرمایا﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾(۸۴) پھر فرمایا﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ اور اس سے مراد ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾(۸۵)

د: جب اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں انواع شرائع اورمختلف احکام ذکر فرمائے تو کہا اٰمن الرسول یعنی رسولﷺ نے پہچان لیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی کی گئی ہے اور جس نے خبر دی ہے وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہے، تحریف کرنے سے مبرا ہے، پھر رسول اللہﷺ کا ایمان ذکر کیا جو اول درجہ کا ہے اور اس کے بعد مؤمنین کا اس پر ایمان ذکر کیا جس کا درجہ اس کے بعد آتا ہے۔(۸٦)

الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی (۵٦۰۔٦۳۸ھ)(۸۷)

علامہ ابن عربی اپنی تفسیر ”تفسیر القرآن الکریم“ کے پہلے جملے کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ قرآن کریم میں نظم کے اثبات سے کرتے ہیں کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنا کلام نظم والا بنایا:

,,**الحمد الله الذی جعل مناظم کلامه**،،(۸۸)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ ابن عربی قرآن کریم میں نظم کے کس حد تک قائل ہیں اور اس کو اہم سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک ہی مضمون کی آیات بار بار آتی ہیں جن کا ماقبل آیات سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور اس کا مفہوم ماقبل آیات کے مطابق بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ ہر مقام پر ماقبل و مابعد کا لحاظ رکھے بغیر اسی مفہوم کو دہرا دیا جائے۔ علامہ ابن عربی نے اس تکرار کو ختم کرنے کا اہتمام کیا ہے، مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

,,**الفهم لا تنحصر فيما فهمت و علم الله لا يتقيد بما علمت**،،(۸۸)

میں نے یہ تفسیر لکھنی شروع کی اور نظم قرآن اور ترتیب کا اس طرح خیال رکھا ہے کہ مکرر کلام اور متشابہ اسالیب کا اعادہ نہیں کیا اور جس کو صحیح تاویل قبول نہیں کرتی تھی یا جس کی ضرورت نہیں تھی میں نے اس کو ذکر نہیں کیا، اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کا حق ادا کر دیا ہے، نہیں بلکہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وجوہ فہم اس تک محدود نہیں ہیں اور اللہ کا علم میرے علم سے بہت وسیع ہے۔

ابن زبیر ثقفی(٦٢٧۔٧٠٨ھ)(۹۱)

ابن زبیر ثقفی کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنے اندر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور غور و فکر کے بہت سے میدان ہیں ایک ان میں سے نظم بھی ہے۔

نظم کے حق میں ابن زبیر یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے ،مکی آیات و سور پر مدنی آیات و سور بہت سے مقامات پر مقدم ہیں، تو اس سے واضح ہوا کہ قرآن میں نظم و ترتیب کی مکمل رعایت ہے۔(۹۲)

ابن زبیر نے قرآن کریم کی تمام سورتوں کا باہم ربط بیان کیا ہے آپ سے پہلے آیات کے باہمی ربط پر بات تو ہوئی ہے لیکن سورتوں کے باہمی نظام پر غالباً سب سے پہلے آپ نے قلم اٹھایا ہے۔ آپ انتہائی اختصار کے ساتھ ہر سورت کا مدعا اور اس سورت کے مضامین کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس میں سورہ کا اندرونی نظام سامنے آ جاتا ہے اور جگہ جگہ آیات کا باہمی ربط بھی بیان کرتے ہیں جس سے سورہ کے اندرونی اجزاء کے نظم اور اس کے اصل موضوع کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ابن زبیر ثقفی کا سورتوں کے باہم ربط بیان کرنے کا انداز نہایت اہم اور مفید ہے وہ قریبی

و متصل سورتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ نظم بیان کرتے ہوئے کسی سورت کے داخلی نظم کا مطالعہ اس طور سے کرتے ہیں کہ اس کی سابقہ اور لاحقہ سورتوں کے ساتھ اس کا تعلق نظر آئے ان کے نزدیک سورتوں کو مفہوم و معنی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے اس لیے ان کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

ابن زبیر ثقفی بعض اوقات یہ بھی بتاتے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور دوسری سابقہ سورتوں کے ساتھ زیر نظر سورہ کے ربط کی کیا بنیاد ہے(۹۳)

بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی(۷۴۵ـ۷۹۴ھ)(۹۴)

علامہ زرکشی نے علوم قرآن پر ,,البرھان فی علوم القرآن،، کے نام سے کتاب لکھی ہے اور اس میں انہوں نے **معرفة المناسبات بین الایات** کے عنوان سے نظم قرآن پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس میں انہوں نے آیات و سور کے ما بین ربط کی اقسام، نظم کے اسباب کے مخفی قرینے اور نظم کے بارے میں علماء کے اقوال پیش کیے ہیں۔

زرکشی مناسبت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> **,,المناسبة أمر معقول اذاعرض علی العقول تلقته بالقبول وکذلک المناسبة فی فواتح الآی و خواتمها و مرجعها واللہ أعلم الی معنی ما رابط بینهما عام أو خاص عقلی أو حسی او خیالی و غیر ذلک من العلاقات او التلازم الذهنی کالسبب و المسبب والعلة و المعلول و النظیرین و الضدین و نحوه أو التلازم الخارجی کالمرتب علی ترتیب الوجود الواقع فی باب الخبر،،** (۹۵)
>
> مناسبت ایک معقول امر ہے جب عقلوں پر پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے قبول کرتی ہیں اور مناسبت آیات کی ابتداء، انتہاء اور ان کے مرجع میں ہوتی ہے اور یہ ایسا قرینہ ہوتا ہے جو ان کے درمیان مناسبت پیدا کر دیتا ہے اور یہ عام، خاص عقلی، حسی، خیالی اور اس کے علاوہ کسی اور مناسبت سے ہو سکتا ہے یا یہ قرینہ تلازم ذہنی ہوتا ہے جیسے سبب اور مسبب، علت اور معلول، نظیرین، ضدین اور اس کی طرح کوئی اور ہو سکتا ہے یا یہ معنی رابط تلازم خارجی ہو سکتا ہے جو خبر کے باب میں پائی جانے والی ترتیب پر مرتب ہوتا ہے۔

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں زرکشی کہتے ہیں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے ہر سورت کے افتتاح کا اس سے پہلے ختم ہونے والی سورت کے خاتمہ کے ساتھ

ربط ہوتا ہے، پھر یہ ربط کبھی ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی ہوتا ہے مثلاً سورت فاطر کا افتتاح الحمد سے ہو رہا ہے اور یہ اپنی ماقبل ختم ہونے والی سورت کے خاتمہ سے مناسب ہے ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ (۹۶) اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن﴾ (۹۷)

اورجیسے سورت حدید کا افتتاح تسبیح کے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ سورت واقعہ کے اختتام کے مطابق ہے اور جیسے سورۃ البقرہ کا افتتاح ﴿الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اس میں اشارہ ہے الصراط کی طرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم﴾، جیسے انہوں نے سیدھا راستہ طلب کیا تو انہیں کہا گیا کہ یہ وہ راستہ ہے جو تم نے مانگا اس کی طرف یہ کتاب راہنمائی کرے گی اسی طرح سورت السراء کی ابتداء تسبیح کے ساتھ ہے اور سورت کہف کی تحمید کے ساتھ ہے کیوں کہ تسبیح، تحمید پر مقدم ہوتی ہے جیسے کہا گیا ہے، **سبحان الله و الحمدلله**۔ (۹۸)

اسی طرح زرکشی نے آیات کا باہمی ربط بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ مفسرین کو ہر حال میں نظم کا خیال رکھنا چاہئے۔

> **لكن محط نظر المفسر مراعاة نظم الكلام الذى سيق له وان خالف أصل الوضع اللغوى لثبوت التجوز، و لهذا ترى صاحب الكشاف يجعل الذى سيق له الكلام متعمدا حتى كان غير مطروح (۹۹)**

مفسر کو نظم کلام کی رعایت سے ہی آیات کے مفہوم کا تعین کرنا چاہیے خواہ اس کے لیے لغوی معنی کی بجائے اس کا مجازی معنی ہی کیوں نہ لینا پڑے، یہی وجہ ہے کہ صاحب کشاف جب آیات کا مفہوم سیاق کلام کی رعایت سے بیان کرتے ہیں تو اس طرح پختگی سے بیان کرتے ہیں کہ گویا اس کے علاوہ وہاں کوئی اور مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔

برھان الدین بقاعی (۸۰۹۔۸۸۵ھ) (۱۰۰)

علامہ بقاعی نے اپنی تفسیر **نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور** میں قرآن کریم کی آیات اور سورتوں میں باہم ربط بیان کیا ہے۔اپنی تفسیر کا آغاز یوں کرتے ہیں۔

> **„الحمد لله الذى أ نزل الكتاب متنا سبا سوره و آياته، متشابها فواصله و غاياته ،،** (۱۰۱)
> تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنی کتاب کو اس طرح نازل فرمایا کہ اس کی سورتیں اور آیات باہم متناسب ہیں اور وہ اپنے فواصل اور اپنے اہداف میں مشابہت رکھتی ہے۔

غالبًا بقاعی پہلے مفسر ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی سورتوں کا باہم ربط بیان کیا اور آپ سے قبل مفسرین میں سے کسی نے قرآن کریم کی سورتوں کا باہمی ربط بیان کیا اور کسی نے صرف آیات کا، لیکن بقاعی نے دونوں کو لیا ہے آپ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

یہ ایک عجیب کتاب ہے جو ایسے فن میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہے جس میں مجھ پر کسی نے سبقت نہیں کی اور نہ کسی نے اس کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی ہے۔ میں ان شاء اللہ اس میں سورتوں اور آیات کی ترتیب میں مناسبت ذکر کروں گا۔ میں نے اس میں طویل عرصہ تک غور کیا ہے اور یہ سب کچھ میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد﴿وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾(۱۰۲)

علامہ بقاعی اس طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں کہ سورتوں اور آیات کے مابین ربط کیسے معلوم کیا جائے۔

,,انک تنظر الغرض من المقدمات (وتنظر الی مراتب تلک المقدمات) فی القرب و البعد من المطلوب و تنظر عند اجترار الکلام فی المقدمات الی مایستتبعه من استشراف نفس السامع الی الاحکام و اللوازم التابعة له تقتضی البلاغة شفاء العلیل عناء الاستشراف الی الوقف علیها فهذا الامر الکلی المعین علی حکم الربط بین جمیع اجزاء القرآن و اذا فعلته تبین لک ان شاء الله وجه النظم مفصلا بین کل آیة و آیة فی کل سورة ،،(۱۰۳)

تم اس مقصد پر اپنی توجہ مرکوز کرو جس کا تقاضا سورت کا سیاق کرتا ہے پھر ان مقدمات پر غور کرو جو اس مقصد سورت کے لیے ضروری ہیں۔ جب یہ مقدمات قریبی و بعیدی ایک دوسرے کا ساتھ دینے لگیں اور جب کلام کے ذریعے ان مقدمات کا سیاق معلوم ہو جائے تو دیکھو کہ سننے والا بلاغت کے نقطہ نظر سے کون سے احکام و لوازم سننا چاہتا ہے تاکہ قرآنی معرفت کے ذریعے اس کی تشنگی دور کی جا سکے۔ قرآن کے تمام اجزاء میں ربط کا قاعدہ کلیہ یہی ہے اور اگر تم نے ایسا ہی کیا تو ان شاء اللہ تم پر ہر ہر آیت اور سورت کا تفصیلی ربط کھل جائے گا۔

جلال الدین سیوطی(۸۴۹۔۹۱۱ھ) (۱۰۴)

علامہ سیوطی علوم قرآن میں مہارت تامہ رکھتے تھے اس فن پر آپ کی کتب یہ ہیں:

۱ .الاتقان فی علوم القرآن ۲ .اسرار التنزیل

۳.التحبیر فی علوم التفسیر ۴.تناسق الدرر فی تناسب السور

۵.قطف الازھار فی کشف الاسرار ۶.مراصد المطالع فی تناسب المقاطع و المطالع ..

نظم قرآن کے مطابق آپ کی تفسیر الدرالمنثور مفید تفسیر ہے۔ الاتقان میں انہوں نے آیات اور سورتوں کی مناسبت پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس میں علامہ سیوطی نے تمام متقدمین علماء کے نظم سے متعلق اقوال نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً علامہ ابن العربی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

,,ارتباط آی القرآن بعضھا ببعض حتی یکون کالکلمة الواحدة متسعة المعانی و منتظمة المبانی علم عظیم لم یتعرض له الا عالم واحد عمل فیه سورةالبقرة ثم فتح الله لنا فیه فلما لم نجد له حملة و راینا الخلق با وصاف البطلة ختمنا علیه و جعلناه بیننا و بین الله وردناه الیه،،(۱۰۵)

قرآن کی آیتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ یوں ربط دینا کہ وہ سب مل کر ایک باہم مناسبت رکھنے والے الفاظ اور مسلسل معانی کا کلمہ ہو جائے، نہایت شریف اور عظیم علم ہے اور بجز ایک عالم کے کسی نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس نے بھی سورۃ البقرہ میں اس کو استعمال کیا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ ہم پر کھول دیا مگر جب ہم نے اس کے واسطے کوئی اٹھانے والا شخص نہیں پایا اور تمام خلق کو سست و کاہل دیکھا تو اس مبحث کو مہر کر کے تہ کر رکھا اور یہ اپنے اور اپنے خدا تعالیٰ کے مابین ہی محدود رکھ کر اس کا تکملہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

علامہ سیوطی علم نظم و مناسبت کو نہایت مفید علم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور مناسبت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اجزائے کلام کو باہم بستہ اور پیوستہ بنا دیتی ہے اور اس طریقے سے ارتباط کلام کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے اور تالیف کلام کا حال اس عمارت کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ نہایت محکم اور متناسب اجزاء رکھنے والی ہو۔(۱۰۶)

علامہ سیوطی یہ بھی بتاتے ہیں کہ ربط کن وجوہ سے ہوتا ہے تا کہ متلاشی نظم کو سہولت رہے اسی طرح علامہ سیوطی سورتوں کے نظم کو بھی تفصیلاً بیان کرتے ہیں اگر علامہ سیوطی کی نظم و مناسبت سے متعلق بحث سے استفادہ کیا جائے تو قرآن کا نظم تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۴ـ۱۱۷۶ھ)(۱۰۷)

شاہ ولی اللہؒ نظم اور مناسبت کی تحقیق اور جستجو کی ستائش کرتے ہیں۔ نظم کی اہمیت سے بھی آگاہ ہیں، لیکن وہ پورے قرآن کریم میں ہر جگہ نظم و مناسبت کی تلاش کو لازمی نہیں سمجھتے اور نہ ہی نظم کو اعجاز قرآن کا حصہ سمجھتے ہیں بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اسلوب میں ادب قدیم کی رعایت کی گئی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> قرآن مجید جس دور میں نازل ہوا اسی دور کی تصنیفی نکتہ سنجیوں اور تالیفی نزاکتوں کی رعایت اس میں کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ادباء متأخرین کے ادبی رجحانات اور تصنیفی قیود و شرائط کی تلاش بے سود ہے۔ کسی کتاب کے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے اور ایک جملہ کا دوسرے جملہ سے، ایک باب کا دوسرے باب سے ظاہری ربط اور لکھی ہوئی مناسبت کا پایا جانا عہد جاہلی یا قدیم عرب کے یہاں بلاغت کا جزء اعظم نہیں سمجھا جاتا تھا یہ شرطیں اور کتاب میں ادب کی یہ قدریں ادباً متأخرین کی پیدا کردہ ہیں قرآن کے مخاطب اول عرب قدیم ہیں۔ انداز بیان میں ان کی رعایت کی گئی ہے اس لیے آیات قرآنی میں ہر جگہ ظاہری ربط اور کھلی ہوئی مناسبت کا پایا جانا ضروری نہیں پھر خود ہی سوال قائم کرتے ہیں کہ اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں ان مطالب و مفاہیم کو بیان کرتے ہوئے ربط و ترتیب کا پورا لحاظ کیوں نہ کیا گیا؟ اس کے جواب میں خود ہی فرماتے ہیں کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لیے یہ کوئی بعید بات نہ تھی لیکن موجود اسلوب کے مطابق قرآن کریم کو مربوط نہ پیش کرنے میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلوب بیان ادب و زبان میں ان کی رعایت مطلوب تھی جو قرآن مجید کے مخاطب اول تھے،،(۱۱۳)

شاہ ولی اللہؒ نے مناسبات اور نظم قرآن پر اصولی بحث اپنی نادرالوجود تصنیف ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں پیش کی ہے اور مناسبات کے سلسلہ میں آپ کا موقف ابن العربی اور امام فخرالدین رازی سے مختلف ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ,,کہ قرآن مجیدجس دور میں نازل ہوا اسی دور کی تصنیفی نکتہ سنجیوں اور تالیفی نزاکتوں کی رعایت اس میں کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ادباء متأخرین کے ادبی رجحانات اور تصنیفی قیود و شرائط کی تلاش بے سود ہے کسی کتاب کے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے اور ایک جملہ کا دوسرے جملہ سے ایک باب کا دوسرے باب سے ا ظہاری ربط اور

لکھی ہوئی مناسبات کا پایا جانا عہد جاہلی قدیم عرب کے یہاں بلاغت کا جزو اعظم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ شرطیں اور یہ قدریں ادباء متأخرین کی پیدا کردہ ہیں ۔

قرآن کے مخاطب اول عرب قدیم ہیں،انداز بیان میں ان کی رعایت کی گئی ہے اس لیے آیات قرآنی میں ہر جگہ ظاہری ربط اور کھلی ہوئی مناسبت کاپایا جانا ضروری نہیں ہے ۔پھر آپ یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ ,, اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں ان مطالب ومفہوم کو بیان کرتے ہوئے ربط و ترتیب کا پورا پورا لحاظ کیوں نہ کیا گیا اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں، ,,کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید بات نہ تھی لیکن موجودہ اسلوب کے مطابق قرآن کو مرتب و مربوط نہ پیش کرنے میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلوب بیان، ادب و زبان میں ان کی رعایت مطلوب تھی جو قرآن کے مخاطب اول تھے،(۱۰۸) پھر آگے چل کر شاہ صاحب اس شبہ کا بھی ازالہ کرتے ہیں کہ کیا قرآنی تعلیمات کو ایسے اسلوب میں پیش کرنا بہتر نہ ہوتا کہ بعد کے ادوار میں اس کی بلاغت متأثر نہ ہو آپ فرماتے ہیں کہ، شریعت کے اسرار و رموز کو جاننے والا اس بات سے واقف ہے کہ انسانوں کی تربیت میں کون کون سی چیز بیان کرنی چاہئیں ساتھ ہی علوم پنجگانہ پر بھی اس کی نظر ہو تو یقیناً اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ قرآ ن میں ان علوم کو پیش کرنے کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس سے بہتر اور معیاری طریقے کا انتخاب ممکن نہ تھا۔(۱۰۹) پھر آگے چل کر آپ یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ ,قرآن کا اسلوب شروع سے آخر تک مکتوب یا پیغام کا سا انداز رکھتا ہے'' (۱۱۰)

جدید مصر کا تفسیری ادب

جدید مصر کی تفسیر سے متعلق تصانیف میں ایک نیا رنگ ابھرا ہے جسے ہم ادبی اور اجتماعی اسلوب کا نام دے سکتے ہیں اس طرز تفسیر کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس میں پرکشش انداز میں ان مطالب و معانی پر توجہ دی گئی ہے جو قرآن کا اصل مقصود اور نصب العین ہے پھر عالم انسانیت کے اجتماعی اور عمرانی مسائل پر قرآنی نصوص کا انطباق کیا گیا ہے۔ شیخ محمد عبدہ کو اس تفسیری مکتب فکر کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے(۱۱۱)

آپ کے تفسیری لیکچروں کو آپ کے شاگرد علامہ رشید رضا قلمبند کرتے تھے اور المنار میں شائع کرتے تھے۔ یہ سلسلہ سورۃ النساء تک ہی پہنچا تھا کہ محرم۱۳۲۳ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا شیخ نے نظم قرآن سے متعلق محیر العقول حقائق کا انکشاف فرمایا اور ایسے اصول وضع

فرمائے جس سے تفسیری رجحانات میں قابل قدر تبدیلی پیدا ہوئی۔ آپ کے منہاج کو آپ کے شاگرد رشید رضا ۱۳۵۴ھ اور محمد مصطفیٰ مراغی ۱۳۳۵ھ نے اپنی تفاسیر میں بڑی خوبی سے اپنایا۔ اس فن میں علماء دیوبند کی خدمات بھی قابل ذکر ہے:

شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیری(۱۴۵۴ھ) جنھوں نے مناسبات کی بعض دقیق اور مشکل وجوہ کا حل تلاش کیا اور اہم نکات کا اضافہ کیا۔ ابن العربی اور امام رازی کی طرح آپ قرآنی مفردات، ترتیب، ترکیب اور حقائق و مقاصد سب ہی وجوہ سے قرآنی حکیم کے اعجاز کے قائل ہیں۔(۱۱۲) اپنے موقف کی تائید میں آپ نے ''مشکلات القرآن'' تحریر فرمائی جسے آپ کے شاگرد مولانا یوسف بنوریؒ نے کچھ اضافہ کے ساتھ ,,یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن،، کے عنوان سے ادارہ مجلس علمی کی طرف سے شائع کیا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۳۶۲ھ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں روابط آیات و سور کو خاص اہمیت سے پیش کیا اور اس خاص موضع پر آپ نے اردو میں ,,سبیل النجاح،،(۱۱۳) اور عربی میں ,,سبق الغایات فی نسق الآیات،، کے عنوانات سے دو رسالے تحریر فرمائے اور سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک الگ الگ فصلوں میں ارتباط آیات ماخذ کے حوالوں کے ساتھ نافع اور مختصر گفتگو کی ہے۔ آپ کے خلیفہ مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن اور مولانا ادریس کا ندھلوی نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں آپ ہی کی نہج اور اصولوں کی روشنی میں مناسبات اور روابط کی بحثوں کو آگے بڑھایا اور انوکھی توجیہات اور نکات کا اضافہ فرمایا۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ۱۳۶۵ھ جوحکمت ولی اللہ کے امین تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ نے قرآن حکیم میں نظم کے مسئلہ پر چالیس سال تک غور فرمایا آپ فرماتے ہیں کہ ''میں نے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی روشنی میں قرآن مجیدکے چند مقاصد متعین کئے ہیں پھر ان کے پیش نظر ہر سورت کے ایک خاص مرکزی مضمون کاتعین کیا ہے اور اس طرح سورتوں میں تسلسل قائم کرنے میں کامیاب کاوش کی ہے۔'' (۱۱۴)

مولانا حسین علیؒ (۱۳۶۲ھ)(۱۱۷) نے چالیس سال سے زائد عرصہ تک تفسیری موضوعات پر غور کیا۔ آپ نے اپنی تصنیف ''بلغۃ الحیران'' میں سورۃ فاتحہ سے والناس تک علیحدہ علیحدہ ارتباط اور تناسب پر سیر حاصل بحث کی ہے، مولاناحسین علیؒ کے نزدیک سارے قرآن میں چار موضوعات پر بحث ہوئی ہے اور باقی تمام امور ان چار موضوعات سے متعلق ہیں۔(۱۱۶)

مولانا حسین علیؒ کے نزدیک ہر سورت کا ایک دعویٰ یعنی اس کا محور اور مرکزی مضمون ہوتا ہے جو اس میں ایک بار یا کئی بار پوری صراحت سے مذکور ہوتا ہے اور سورۃ کی باقی تمام آیتیں بلاواسطہ یا بالواسطہ اسی کے گرد گھومتی اور کسی نہ کسی طرز سے اس کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں مثلاً بعض آیتوں میں مرکزی دعویٰ کے دلائل عقلیہ اور دلائل نقلیہ مذکور ہوں گے بعض آیتوں میں مرکزی موضوع پر تنویر ہو گی کہیں اصل دعویٰ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے اس کا اعادہ ہو گا۔ بعض آیتوں میں اصل دعویٰ کے ماننے والوں کے لیے دنیاوی اوراخروی بشارت اور نہ ماننے والوں کے لیے دنیاوی اور اخروی تخویف کا ذکر ہو گا وغیرہ ذالک۔(۱۱۷)

مولانا حسین علیؒ کے شاگردوں نے بھی اس میدان میں بہت اہم کام کیا ہے مولانا غلام اللہ خان کی ''جواھر القرآن'' اردو زبان میں نظم کے میدان میں ایک اہم اضافہ ہے۔

اسی مکتبہ فکر سے فیض یاب بعض دوسرے اصحاب نے بھی اس موضع پر کام کیا ہے جن میں صوبہ سرحد ضلع مردان کے مولانا محمد طاہر کی تصنیف ''سمط الدرر فی ربط الأیات و السور'' بہت اہم ہے اس کتاب کے ۲۵۴ صفحات ہیں۔ یہ متعدد دفعہ شائع ہو چکی ہے۔ ابھی میرے سامنے اس کتاب کا بہت پرانا نسخہ جو کہ ہاتھ سے لکھا گیا ہے موجود ہے جس پر تاریخ اشاعت و غیرہ درج نہیں اور صفحہ عنوان کے بالکل نیچے لکھا گیا ہے (کتبہ: فضل غفور، کالوخانی)

اس کتاب کا آخری ایڈیشن حال ہی میں شائع ہوا۔ فہرست مضامین کتاب کے آخر میں ہے، نفس مضمون کے اعتبار سے یہ کتاب امتیازی شان رکھتی ہے اس کتاب کی ابتداء میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر قدرے تفصیل سے ہے اور پھر ہر سورۃ کی ابتداء میں سورۃ کے اسماء ذکر کیے گئے ہیں اور پھر چند امور کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۱: ہر دو سورتوں کے آپس میں ربط اور تعلق کی وجوہات ذکر کی ہیں۔

۲: سورتوں کا اصل مقصد جسے دعوی السورۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳: مضمون کے اعتبار سے سورۃ کی تقسیم

۴: امتیازات السورۃ یعنی وہ وجوہات جن کی وجہ سے یہ سورۃ دیگر سورتوں سے ممتاز ہے اور ساتھ ساتھ سورۃ کا حاصل بھی ذکرکرتا ہے۔

مولانا حمید الدین فراہیؒ(۱۲۸۰۔۱۳۴۹ھ) (۱۱۸)نے عمر کا ایک بڑا حصہ نظم قرآن کی جستجو میں

صرف کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک عمود یا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جو مطالب سورہ کی شیرازہ بندی کا کام دیتا ہے اور تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے ایک لڑی میں پرو دیتا ہے، عمود کا سررشتہ پوری سورت کو کثرت مضامین کے باوجود ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

"اعلم ان تعیین عمود السورۃ، ھو اقلید لمعرفۃ نظامھا و لکنہ اصعب المعارف و یحتاج الی شدۃ التامل و التمحیص فی مطلب السورۃ المتماثلۃ و المتجاوزۃ حتی یلوح العمود کفلق الصبح فیضیء بہ السورۃ کلھا و یتبین نظامھا و تاخذ کل آیۃ محلھا الخاص و یتعین من التاویلات المحتملۃ،،(۱۱۹)

سورہ کے عمود کی تعیین سورہ کے نظام کی کنجی ہے، لیکن اس کی پہچان سخت مشکل مرحلہ ہے اس کے لیے اس سورۃ کے مضامین پر شدید غور و خوض کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے علاوہ آس پاس کی سورتوں کا بھی، اور ان سورتوں کا بھی جو زیر غور سورہ سے متماثل ہوں، پوری دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ان کے مطالب پر بار بار نگاہ ڈالی جائے یہاں تک کہ فلق صبح کی طرح عمود روشن ہو جائے اور جب عمود مل جاتا ہے تو تما م سورہ کا نظام واضح ہو جاتا ہے اور ہر آیت اپنا مخصوص مقام حاصل کر لیتی ہے اور ممکنہ تاویلات میں سے راجح کا تعین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ سورہ کی تاویل اس طرح کی جائے کہ پوری سورہ ایک کلام کے قالب میں ڈھل جائے اور وہ سورہ اپنی سابق و لاحق سورتوں سے جو باعتبار نظم اس سے دور یا پیچھے واقع ہوں مربوط ہو جائے جس طرح بعض آیات بطور جملہ معترضہ کے آ جاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی بیچ میں بطور جملہ معترضہ آ جاتی ہیں اس نکتہ کو نگاہ میں رکھ کر قرآن پرغور کرو تو تمہیں سارا قرآن ایک منظّم کلام کی شکل میں نظر آئے گا اور شروع سے آخر تک اس کے تمام اجزاء میں نہایت ہی محکم، مضبوط مناسبت و ترتیب معلوم ہو گی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ علم نظام اجزاء کی ترتیب و مناسبت کے علم کے علاوہ ایک اور علم ہے۔(۱۲۰)

مولانا فراہی کے نظریات کو ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں عملی طور پر پیش کیا اور ان کی فکر سے لوگوں کو روشناس کرایا۔نظم قرآن سے متعلق اب

تک یہ قابل قدر نظریات سامنے آئے ہیں، بعد کے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں ان کا اطلاق کیا ہے اور دور حاضر میں مرتب ہونے والی تفاسیر میں عموماً نظم قرآن کا خیال رکھا جا رہا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ البقرۃ : ۲۳

۲۔ رافعی مصطفیٰ صادق،تاریخ آداب العرب، ۲۴۰/۳

۳۔ نولڈیکے افکار Encyclopedia Britok میں اس کے مضمون Koran سے ما خوذ ہیں، یہ مضمون Muhammadnism کے تحت لکھا گیا ہے ،ملاحظہ ہو۔ Vol:xii P168

۴۔ Charles J Admes, Quran encyclopedia of Religion Vol:xii p 168

۵۔ الزمخشری، محمود بن عمر، ''اساس البلاغۃ''، مادہ نظم

۶۔ ابن منظور، ''لسان العرب'' ، مادہ نظم

۷۔ فیروز آبادی، ابو طاہر مجد الدین، ''القاموس المحیط''، مادہ نظم

۸۔ الجرجانی حنفی، سید شریف علی بن محمد بن علی، ''کتاب التعریفات''، باب نون :۱٦۷

۹۔ بحوالہ الزرکشی، ''البرھان فی علوم القرآن'' ، ۳٦/۱

۱۰۔ البقاعی، برہان الدین ابو الحسن ابراہیم بن عمر،''نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور''، مقدمہ

۱۱۔ فراہی، حمید الدین ،دلائل النظام، ۷۵

۱۲۔ فراہی، حمید الدین، رسائل فراہی، ۸۷

۱۳۔ الجرجانی، السید الشریف،التعریفات، ۱٦۷

۱۴۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ ن س ب

۱۵۔ الزمخشری،اساس البلاغۃ، ن س ب

۱٦۔ ن،م مادۃ : و ف ق

۱۷۔ الزمخشری، اساس البلاغۃ،مادہ: ن س ق

۱۸۔ ایضاً ،مادۃ : ن س ق

۱۹۔ محمد بن مکر م بن علی بن احمد بن ابی القاسم بن حبقہ بن منظورالانصاری الرویفعی الا فریقی المصری، ٦۳۰ھ ماہ محرم میں مصر میں پیدا ہوئے۔مشہور لغوی اور ادیب تھے۔ قاہرہ کے دیوان انشاء میں ملازمت کی، طرابلس کے قاضی بھی رہے۔ آخری عمر میں مصر لوٹ آئے اور یہیں شعبان ۷۱۱ھ میں وفات پائی، کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، ۴٦/۱۲۔

۲۰۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ : رب ط

۲۱۔ الزمخشری، اساس البلاغۃ، مادہ :ر ب ط

۲۲۔ السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ۳۷۱/۳

۲۳۔ الزرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، البرھان فی علوم القرآن، ۳٦/۲

۲۴۔ اصلاحی، تدبر قرآن، مقدمہ :۲۲

۲۵۔ ابن ابی الاصبع، بدیع القرآن : ۴
۲۶۔ النساء: ۹
۲۷۔ اصلاحی، تدبر قرآن، مقدمہ، ۲۲
۲۸۔ مثلاً قضا و قدر کا قضیہ اور قضیہ مسیح لاھوتیہ یا ناسوتیہ۔حمصی، نعیم، تاریخ فکرۃ اعجاز القرآن :۳۶
۲۹۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد بن مروان بن عبدالحکیم، شام میں خلافت امیہ کا آخری خلیفہ تھا۔ جزیرہ میں پیدا ہوا، ہشام بن عبد الملک نے اسے آزربائیجان، آرمینیہ اور جزیرہ کا والی مقررکیا۔ ۱۲۷ھ میں تخت خلافت نشین ہوا اور ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ الزرکلی، خیر الدین الاعلام ،۲۰۸/۷
۳۰۔ خلیفہ منصور، عباسی خلفاء میں سے تھا مکمل نام عبد اللہ بن محمد ہے۔ ۱۵۸ھ میں وفات ہوئی۔ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، ۲۹۷/۷
۳۱۔ عبد اللہ ابن مقفع، مشہور ادیب اور مفکر تھا۔ ۱۴۲ھ میں وفات پائی، الزرکلی، خیر الدین، الا علام، ۲۸۳/۷
۳۲۔ مامون، عبد اللہ ابو العباس بن ہارون رشید ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا اور طرسوس میں وفات پائی۔ السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمان بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، ۳۱۳/۱
۳۳۔ ابن قتیبہ دینوری(۲۱۳ھ۔۲۷۶ھ) ابو عبد اللہ محمد بن مسلم دینوری ابن قتیبہ کے نا م سے مشہور ہیں۔ ۲۱۳ھ کوفہ میں پیدا ہوئے اور کچھ مدت اقلیم جبل میں دینور کے قاضی بھی رہے۔بغداد میں درس و تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے اور یہیں رجب ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔ عادل نویھض، معجم المفسرین، ۲۲۹/۱
۳۴۔ شوقی ضیف، البلاغۃ تطور و تاریخ: ۵۸
۳۵۔ ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن :۱۰
۳۶۔مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح ،کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب المساجد و مواضع الصلوۃ، حدیث نمبر۱۷/۱۱۰۴۹۰
۳۷۔ ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن :۱۰۳
۳۸۔ ن، م:۱۰۵
۳۹۔ ن، م:۱۶۲
۴۰۔ ابن قتیبہ، تأویل مشکل القرآن :۱۰
۴۱۔ ابو الحسن علی بن عیسیٰ رمانی(۲۹۶۔۳۸۴ھ)رمانی۔ ماہر نحوی، مفسر اور معتزلی محقق تھے۔۲۹۶ھ بغداد میں پیدا ہوئے اور ۳۸۲ھ میں ہی فوت ہوئے۔ سینکڑوں تصنیفات چھوڑی ہیں۔ آپ کا رسالہ النکت فی اعجاز القرآن، قرآن پاک کے اعجاز کے بیان میں نہایت اہم ہے۔ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، ۱۳۴/۵
۴۲۔ الرمانی، النکت فی اعجاز القرآن، در ثلاث رسائل، تحقیق و تعلیق، خلف اللہ، زغلول سلام:۷۵
۴۳۔ ن، م : ۷۶
۴۴۔ قاضی عبدالجبار اسد آبادی(۳۵۹۔۴۱۵ھ) قاضی عبدالجبار اسد آبادی، فقیہ، اصولی، متکلم مفسر اور متعدد علوم میں ماہر تھے۔ فروعیات میں امام شافعی کے پیرو اور اصول و مبادی میں معتزلی تھے۔ بغداد میں حدیث کا درس دیتے رہے اور رے کے قاضی بھی مقرر ہوئے۔ متعدد کتب تصنیف کیں، آپ کی کتاب المغنی فی ابواب التوحید و العدل کی سولھویں جلد اعجاز قرآن کے لیے خاص ہے۔ عمر رضا کحالہ،معجم المؤلفین، ۷۸/۵
۴۵۔ اسدی آبادی، قاضی عبد الجبار، المغنی فی ابواب التوحید و العدل، ۲۰۰/۱۶

۴۶۔ ن،م: ۱۹۷

۴۷۔ شوقی، ضیف، البلاغۃ تطور و تاریخ: ۱۱۶

۴۸۔ ن،م :۱۱۶

۴۹۔ شوقی ضیف، البلاغۃ تطور تاریخ :۱۱۷

۵۰۔ علامہ محمد بن طیب بن جعفر باقلانی(۳۳۸۔۴۰۳ھ) اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک وہ مالکی مسلک رکھتے تھے اشاعرہ میں نمایاں شخصیت کے حامل تھے بغداد میں زندگی کا اکثر حصہ گزارا۔ ابو بکر بن مالک قطیعی، ابو محمد بن ماسی اور احمد حسین بن علی نیشاپوری سے حدیث سنی ان کی تصنیفات میں **الانصاف فی اسباب الخلاف،کتاب الاصول الکبیر فی الفقه، کتاب الاستشهاد، کتاب الامامة الکبیرہ، مناقب الائمه** وغیرہ مشہور ہیں۔ عادل نویھض، معجم المفسرین، ۲/۵۴۲

۵۱۔ باقلانی، محمد بن طیب بن جعفر، اعجاز القرآن :۲۶۶

۵۲۔ الباقلانی، اعجاز القرآن :۲۶۵

۵۳۔ ن،م :۲۸۸

۵۴۔ ن،م:۲۹۱

۵۵۔ ن،م

۵۶۔ المصری، ابن ابی اصبع، بدیع القرآن :۵۰

۵۷۔ حمد بن محمد خطابی(۳۱۹۔۳۸۸ھ) فقیہ، محدث اور ادیب تھے آپ کی مشہور تصانیف میں کتاب معالم السنن، غریب الحدیث، شرح البخاری، کتاب العزلہ، کتاب العروس، کتاب اعلام الحدیث ہیں۔ اساتذہ میں اسماعیل صفار، ابو عمر زاہد، ابوالعباس اصم، احمد بن سلیمان نجار، ابو عمر، سماک، مکر م قاضی، اور جعفر خلدی کا نام آتاہے، لیکن البیان فی اعجاز القرآن میں خطابی نے جو خیالات پیش کیے ہیں وہ اہم ہیں۔عادل نو یھض، معجم المفسرین، ۱/۱۶۳

۵۸۔ الخطابی، حمد بن محمد، البیان فی اعجاز القرآن: ۹

۵۹۔ الخطابی، البیان فی اعجاز القرآن: ۳

۶۰۔ الخطابی،البیان فی اعجاز القرآن :۳

۶۱۔ ن،م:۳

۶۲۔ علامہ عبد القاہر جرجانی(المتوفی ۴۷۱ھ)عبد القاہر ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن محمد کی پیدائش پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں ہوئی اور وفات ۴۷۱ ہجری میں ہوئی شافعی المذہب اور اشاعرہ کے کلامی نقطِ نظر کے پیرو تھے،علم نحو سے دلچسپی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ نحوی کے لقب سے مشہور ہوئے آپ کی کتب میں کتاب الا یجاز، کتاب الجمل، کتاب العمدہ، اسرار البلاغہ، دلائل الاعجاز اور کتاب العروض مشہور ہیں۔عادل نویھض، معجم المفسرین،۱/۲۹۵

۶۳۔ الجرجانی، عبدالقاہر،دلائل الاعجاز، ۳۵

۶۴۔ ن،م:۲۵

۶۵۔ الجرجانی، دلائل الاعجاز :۳۶

۶۶۔ ھود : ۴۴

۶۷۔ الجرجانی،عبد القاہر، دلائل الاعجاز: ۴۳

۶۸ شوقی ضیف، البلاغۃ تطور و تاریخ: ۱۸۹

۶۹۔ ن،م: ۶۴

۷۰۔ علامہ ابو القاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ میں خوارزم میں پیدا ہوئے۔علم کے حصول کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کیا اور مکہ پہنچ کر ابن وہاس کے شاگرد کی حیثیت سے اقامت اختیار کی اور اسی وجہ سے جار اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اصول و مبادی میں معتزلی تھے اور فروعی مسائل میں حنفیت کو ترجیح دیتے تھے خوارزم کے صدر مقام جرجانیہ میں ۵۳۸ ہجری میں وفات پائی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱۶۸/۵۔۱۷۰

۷۱۔ جاحظ (۱۶۳۔۲۵۵ھ) عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی اللیثی، کنیت ابو عثمان ہے اور جاحظ کے نام سے مشہور ہیں۔ عربی ادب کے آئمہ میں شمار ہوتے ہیں، معتزلہ کے ائمہ میں سے ہیں بصرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں وفات ہوئی۔ بصرہ اور بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے معروف علوم پر عبور تھا اور ان میں سے ہر فن پر کچھ نہ کچھ تحریر کیا۔ آخر عمر میں فالج ہوا اور اس حالت میں موت آئی کہ کتاب سینے پر تھی ۔عادل نویھض، معجم المفسرین، ۴۰۳/۱۔۴۰۴

۷۲۔ ھود : ۱۴

۷۳۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الکشاف، ۳۰۰/۲

۷۴۔ یونس: ۳۸

۷۵۔ یونس :۳۹

۷۶۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الکشاف، ۳۴۸/۲

۷۷۔ ن،م

۷۸۔ فخر الدین رازی (۵۴۴۔۶۰۶ھ) مایہ ناز مفسر قرآن، معقولات و منقولات میں یکتائے زمانہ تھے، رے ،طبرستان میں پیدا ہوئے۔ خوارزم، خراسان اور ماوراء النہر کے اسفار کیے۔ ۶۰۶ھ ہرات میں وفات پائی۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے ماہر تھے۔ الزرکلی،خیر الدین ،الاعلام،۳۱۳/۶

۷۹۔ حٰمٓ السجدہ: ۴۴

۸۰۔ الرازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، ۱۳۳/۲۷

۸۱۔ الرازی،فخر الدین،تفسیر کبیر ، ۱۳۸/۷

۸۲۔ البقرہ: ۲۸۵

۸۳۔ البقرہ: ۳

۸۴۔ البقرہ: ۲۸۵

۸۵۔ البقرہ: ۳

۸۶۔ الرازی،تفسیر کبیر ،۱۳۶/۷ تا ۱۳۸

۸۷۔ ابن عربی، محی الدین، تفسیر القرآن الکریم، ۳/۱

۸۸۔ ن،م :مقدمہ

۹۱۔ ابن زبیر ثقفی (۶۲۷۔۷۰۸) ابوجعفر بن ابراہیم ابن زبیر ثقفی، غرناطی محدث اور مؤرخ ہیں۔ اندلس منتقل ہونے والے عرب خاندانوں میں سے ہیں۔ جیان میں پیدا ہوئے، مالقہ میں اقامت اختیار کی، یہاں کے سخت حالات

سے مجبور ہو کر غرناطہ سے مکہ کی طرف ہجرت کی اور یہیں تصنیف و تالیف کا کام سر انجام دیا اور یہیں وفات پائی، الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، ۸۶/۱

۹۲۔ اصلاحی، ڈاکٹر ایاز احمد، ابن زبیر ثقفی اور نظم قرآن، جولائی، اگست ۲۰۰۱،۲/۱۲۱

۹۳ ن،م:۶۴

۹۴۔ بدرالدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، الشافعی(۷۴۵۔۷۹۴ھ) مصر میں پیدا ہوئے۔ حلب کی طرف ہجرت کی دمشق سے حدیث کا سماع کیا۔ درس اور فتویٰ دیا۔ رجب کے مہینہ میں قاہرہ میں وفات پائی، کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، ۱۲۱/۱۰

۹۵۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن ،۳۵/۱

۹۶۔ السباء: ۵۴

۹۷۔ الانعام: ۴۵

۹۸۔ الزرکشی،البرہان فی علوم القرآن ،۳۸/۱۔۳۹

۹۹۔ الزرکشی،البرھان ،۳۸/۱۔۳۹

۱۰۰۔ برھان الدین بقاعی، ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط الخربادی(۸۰۹۔۸۸۵ھ) بقاعی بڑے عالم، ادیب،مفسر، محدث اور مؤرخ تھے۔ شافعی المسلک تھے۔ ۸۰۹ھ میں بقاع کی بستی خربہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں پرورش پائی، بیت المقدس، قاہرہ اور دمشق میں رہے۔ ۸۸۵ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ کحالہ،عمر رضا،معجم المؤلفین، ۷۱/۱

۱۰۱۔ البقاعی، برھان الدین،نظم الدررفی تناسب الآیای والسور، مقدمہ :۱/۱

۱۰۲۔ البقاعی،نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور، ۲/۱

۱۰۳۔ ن،م، ۱۷/۱۔۱۸

۱۰۴۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی(۸۴۹۔۹۱۱ھ) امام ،حافظ، مؤرخ اور ادیب تھے،شافعی المسلک تھے،علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم و فنون و اسانید، رواۃ و رجال و استنباط احکام میں یکتائے روزگار تھے۔ چالیس سال کی عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، آپ کی تقریباً چھ سو کتب ہیں، امراء، وزراء حاضر خدمت،ہو کر مال و دولت پیش کرتے لیکن قبول نہ کرتے تھے۔ آپ کو ابن الکتب بھی کہا جاتا ہے۔ الزرکلی ،خیر الدین، الاعلام، ۳۰۱/۳۔۳۰۲

۱۰۵۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۳۶۹/۳

۱۰۶۔ ن، م ،۳۷۱/۳

۱۰۷۔ شاہ ولی اللہ(۱۰۱۰۔۱۱۷۶ھ) احمد بن ابراہیم بن وجیہ الدین ابن معظم بن منصور الفاروقی الدہلوی، مشہور محدث، مفسر حنفی فقہاء میں سے ہیں دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ ۱۱۴۵ھ میں حجاز گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا اور واپس ہندو ستان آ گئے اور یہاں درس حدیث شروع کیا۔ شاہ ولی اللہ شاہ عبدالرحیم دہلوی کے بیٹے ہیں۔عظیم محدث و مفسر تھے، اسرار شریعت کے ماہر تھے، کثیر التصانیف تھے،فتح الرحمٰن ان کا ترجمہ ہے اور فتح الخبیر تفسیر ہے۔ ۱۱۷۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔عادل نو یھض، معجم المفسرین،۴۳/۱۔ صارم ،عبد الصمد، تاریخ التفسیر :۳۶۔

۱۰۸۔ شاہ ولی اللہ ،الفوز الکبیر :۱۲، مطبع سعیدی، کراچی ص :۱۲

۱۰۹۔ شاہ ولی اللہ،الفوز الکبیر،مطبع ص:۱۲
۱۱۰۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص۱۲
۱۱۱۔ غلام حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، استقلال پریس لاہور، ص:۶۷۶
۱۱۲۔ محمد یوسف بنوری، یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن، مجلس علمی، جمال پریس دہلی، ص:۶۷
۱۱۳۔ عبد الباری، پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی،جامع المجددین، ہارڈنگ روڈ، لکھنو، بھارت ص:۸۱۔اشرف علی تھانوی، سبق الغایات فی نسق الآیات،کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، ص:۱
۱۱۴۔ عبید اللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ سندھ ساگر اکادمی لاہور، ص:۱۶
۱۱۵۔ مولانا حسین،(متوطن واں بھچراں میانوالی،پنجاب)
۱۱۶۔ حسین علی، بلغۃ الحیران :۵
۱۱۷۔ مولانا حسین علی،بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان: مقدمہ
۱۱۸۔ مولانا حمیدالدین فراہی کی سوانح کے لیے رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔
۱۱۹۔ فراہی، دلائل النظام: ۷۷
۱۲۰۔ فراہی،دلائل النظام: ۷۴۔۷۵

☆☆☆☆☆